حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ
کے
۱۰۰ سو قصے
مؤلف
مولانا محمد شعیب سرور

بیت العلوم

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

کے

سچے قصے

مؤلف

مولانا محمد شعیب سرور

بیت العلوم

فہرست

مقدمہ

الحمد للّٰہ و نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا و من سیات أعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ و نشھد ان لا الٰہ اِلّا اللّٰہ و نشھد انّ سیدنا و سندنا و شفیعنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ اما بعد: فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم:

"انّ المسلمین و المسلمات و المؤمنین والمؤمنات و القٰنتین و القٰنتٰت و الصّٰدقین و الصّٰدقٰت و الصّٰبرین و الصّٰبرٰت و الخٰشعین و الخٰشعٰت و المتصدّقین و المتصدقات والصّآئمین و الصّٰئمٰت والحٰفظین فروجھم الحٰفظٰت والذاکرین اللّٰہ کثیراً وّ الذّٰکرٰت اعدّ اللّٰہ لھم مّغفرۃ وّ أجراً عظیماً"

(الاحزاب: ۳۵)

بعد الحمد و الصلوۃ:

دین اسلام ابدی صداقتوں اور لافانی حقیقتوں کا حامل دین ہے اس کی ابدی صداقتوں اور لافانی حقیقتوں نے انسانی معاشرے کے ہر ہر گوشے پر اپنے ایسے اَن مٹ اثرات مرتب کیے ہیں کہ جن اثرات کے نتیجے میں انسانی معاشرے کا ایک ایک فرد حقیقی انسان بن کر اشرف المخلوقات کا مصداق بنا۔

وجہ یہی تھی کہ تعلیمات اسلامیہ نے انسانی تاریخ اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کر کے انہیں صراط مستقیم کی راہ دکھلائی، کفر و شرک کی تاریک رات سے توحید و رسالت کا چہرۂ سحر نمودار کیا، معاشرتی برائیوں مثلاً ظلم و ستم، جور و جفا، قتل و غارت، ناانصافی و مفاد پرستی، نفرت و عداوت، بغض و عناد، فحاشی و عریانی، دھوکہ فریب، افراط و تفریط، خود غرضی و

تنگ نظری اور دیگر اخلاقی برائیوں کی بیخ کنی کر کے... رحم و کرم، محبت و الفت، ہمدردی و پاسداری، عدل و انصاف، ایثار و قربانی، شرم و حیاء، اعتدال و میانہ روی اور تقویٰ و طہارت کے گلشن آباد کر کے خطۂ ارضی کو ان کی جانفزا خوشبو سے مہکا دیا۔

چنانچہ جب ہم تاریخ کے جھروکوں میں جھانکتے ہیں تو تاریخ کے اوراق پڑھتے ہمارے سامنے کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور ہمارے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ دین اسلام کی انہی ابدی صداقتوں اور لافانی حقیقتوں کی اثر انگیزیوں سے ایسے رجالِ کار، اور نفوس قدسیہ پیدا ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جن پر انسانیت بھی رشک کرتی ہے اور جن کی عظمت و رفعت اور مرتبہ و تقدس کا دوست و دشمن سبھی نے اقرار کیا۔

دریائے طلب بن جاتا ہے ہر مشکل کا پایاب یہاں
ان تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

اور ایسے نفوس قدسیہ کوئی دو چار نہیں تھے بلکہ اسلامی تاریخ کا دامن تو ایسے حضرات سے لبالب بھرا ہوا ہے۔

انہی نفوس قدسیہ میں سے ایک عظیم شخصیت، پانچویں خلیفہ راشد، عمر ثانی، امام عادل سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شخصیت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جامع الکمالات اور مجموعہ صفات متضاد بنایا تھا جہاں آپؒ نہایت بردبار، اور حلیم الطبع انسان تھے، وہاں ظلم و جبر کے خلاف غیرت ایمانی سے غضبناک ہونا بھی آپؒ کا وصف خاص تھا، اگر آپؒ ہر لمحہ خوف الٰہی سے لرزاں و ترساں رہتے تھے تو دوسری طرف اہل باطل اور ظالم و جابر لوگوں کے خوف کا شائبہ بھی آپؒ کے پاس پھٹک نہ سکتا تھا، اگر برسرعام، ڈنکے کی چوٹ پر "اظہار حق و صداقت" کرنا آپؒ کا طرہ امتیاز تھا تو دوسری جانب آپؒ کا کردار "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" کا مصداق بھی تھا، اگر آپؒ کمزوروں، محتاجوں، بے سہاروں، یتیموں اور بیواؤں کے لئے ریشم سے زیادہ نرم تھے تو آپؒ ساتھ ساتھ راہ حق میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں اور دشمنان اسلام کے لئے فولاد سے زیادہ سخت بھی تھے، اگر آپؒ اپنے اور اپنے اہل خانہ کے لئے ہر قسم کی تنگی و سختی کو اپنے

چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ سہنے والے تھے تو دوسری طرف آپؒ اتنا ہی اپنی رعایا کے لئے ہر قسم کی آسانی اور سہولت کے تلاش میں کوشاں اور سرگرداں رہتے تھے، آپؒ سے حق بات منوانا جتنا آسان تھا اتنا ہی آپؒ سے ناحق بات منوانا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔

الغرض! حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں اور ان کے صفات وکمالات کے تنوع کے سبب ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والا انسان آپؒ کے لمحات حیات سے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

ایک مالدار اور صاحب ثروت آپؒ کے جودوسخا سے سیکھ سکتا ہے کہ کیسے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کو غریبوں کی مدد، فقراء کی اعانت اور دیگر امور خیر میں خرچ کر کے رضائے الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے؟ ایک عالم آپ کے علم وعمل کے مہکتے گلستان سے خوشبو حاصل کر سکتا ہے کہ کیسے وہ اپنے علم کے تقاضوں کو پورا کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے؟ ایک غریب، تنگدست اور پریشانیوں میں گھرا ہوا شخص آپؒ کے مثالی صبر وتحمل کو مدنظر رکھ کر اپنے لئے شاہراہ جنت کو متعین کر سکتا ہے نیز یہ کہ پھر کیسے اس شاہراہ پر گامزن ہو کر صابرین کے دروازے سے خلد بریں میں داخل ہو سکتا ہے؟ ایک شوہر اور خاندان کا سربراہ آپؒ کی ازدواجی اور خاندانی زندگی کے ایمان افروز لمحات سے یہ درس حاصل کر سکتا ہے کہ مجھے اپنے بیوی بچوں اور خاندان کے افراد کے نان نفقے سے لیکر اصلاح وتربیت تک کے مراحل کو کیسے طے کرنا ہے؟

ایک حاکم وقت آپؒ کے خلافت راشدہ کی نہج پر قائم دور خلافت سے روشنی حاصل کر سکتا ہے کہ ایک حاکم اور خلیفہ وقت کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہئے، اور کیسے امور مملکت سرانجام دیئے جائیں اور کیسے اپنے احکم الحاکمین اور اپنی رعایا کے حقوق ادا کر کے دنیا وآخرت کی عزت ونجات سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے؟

بہر کیف! یہ تو چند مثالیں تھیں ورنہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذات گرامی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق شخص کی راہنمائی اور فلاح وکامرانی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

زیر نظر کتاب ''سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے سو قصے'' اسی عظیم ہستی کی حیات طیبہ کے

پیدہ چیدہ تعبیری اور ایسے ایمان افروز حکایات و واقعات پر مشتمل ہے جو اپنے دامن میں ایمان کی تازگی اور روح کی بالیدگی کے لئے بے پناہ گوہر نایاب سمیٹے ہوئے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ان سطور کو دل کی نگاہ سے اور عمل کی نیت سے پڑھا جائے...!!

اللہ تعالیٰ ہمیں لکھنے اور پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل صالح کی توفیق بھی عطا فرمائیں اور اس ادنیٰ طالبعلمانہ کاوش کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز جیسے کسی خلیفہ وقت کے پیدا ہونے کا ذریعہ بنائے (آمین) کہ جس کا مطمع نظر یہ ہو:

ع میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لئے نمازی

مقدمے کے اختتام پر راقم الحروف پہلے اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ جس کی توفیق سے یہ ادنیٰ کاوش منظر شہود پر آئی اور پھر اپنے محسن استاد محترم حضرت مولانا ناظم اشرف صاحب مدظلہم (مدیر بیت العلوم) کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ جن کے ایماء پر کام شروع کیا گیا اور جن کی دعا اور راہنمائی نے آخری لمحے تک ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس سعی حقیر کو قبول فرمائے اور اس کو بندہ کے والدین، اساتذہ کرام اور جملہ احباب و معاونین اور بندہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

محمد شعیب سرور
متخصص فی الافتاء
جامعہ اشرفیہ لاہور

مختصر تعارف

﴿حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حالاتِ زندگی﴾

نام ونسب:

آپ کا نام نامی ''عمر'' ہے، کنیت ''ابوحفص'' ہے۔

والد ماجد کی طرف سے سلسلہ نسب کچھ یوں ہے:

''عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب القرشی الاموی۔

جبکہ والدہ ماجدہ کی جانب سے شجرہ نسب کچھ اس طرح ہے:

''ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ'' [1]

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اسی نسبت کی برکت ہے کہ آپؒ پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زندگی کا گہرا اثر ہے اور آپ کی خلافت کے بعد کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اس اثر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پیدائش:

حضرت عمرؒ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہوئی اور یہی یزید بن معاویہ کی خلافت کا زمانہ ہے اگرچہ بعض حضرات نے سن پیدائش میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن جوزیؒ نے سن ۶۳ھ لکھا ہے [2] لیکن زیادہ معتبر روایت یہی ہے۔[3]

خاندان قبیلہ:

امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا تعلق قریش کی شاخ بنو امیہ سے تھا خاندان قریش عرب کا ایک معزز ترین خاندان تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس خاندان کو بھی عظیم صفات اور صلاحیتیں عطا فرما کر چن لیا تھا۔ جیسا کہ حدیث مبارک ہے:

---

[1] البدایہ والنہایہ (۲۷/۹) سیرۃ ابن جوزی ص ۵ [2] سیرۃ ابن جوزی ص ۵ [3] سیدنا عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹

''اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیم سے اسماعیل کو منتخب کیا، اور اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا اور بنی کنانہ سے قریش کو منتخب کیا۔''[1]

یہ خاندان اپنی طاقت، عظمت، بے پناہ صلاحیتوں اور ذہانت و فطانت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ جرأت و شجاعت اس کا شعار، عقل و دانش اس کا طرۂ امتیاز اور فہم و فراست اس کا وصف خاص تھا۔ جیسا کہ لفظ قریش کے معنی سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ بنوامیہ کے ان افراد کو جو اسلام لاتے رہے اپنی خصوصی شفقت و توجہ سے اور خاص عنایت سے نوازتے رہے۔

بچپن کا سنہری دور

جن نفوس قدسیہ نے آگے چل کر تاریخ اسلامی کے ماتھے کا جھومر بننا ہو، قدرت ابتداء ہی سے ان کے اندر غیر معمولی صلاحیت، استعداد اور خصوصیات رکھ دیتی ہے جو ان کے سنہری مستقبل کی غمازی و عکاسی کرتی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے آگے چل ''عمر ثانی'' کا لقب لینا تھا اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھرنا تھا تو قدرت الٰہی نے زمانہ طفولیت سے ہی آپ کے اندر صفات حسنہ اور اوصاف جمیلہ پیدا فرما دی تھیں چنانچہ جب آپ کو بچپن کے سنہری دور کے جھروکوں سے دیکھا جائے تو حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے۔

آپ کا بچپن عام بچوں سے منفرد اور جدا تھا۔ بچپن میں ہی دوسروں پر آپ کی خداداد صلاحیتیں ابھرنا شروع ہو گئیں تھیں۔ بچپن جو کہ عام طور پر کھیلنے کودنے کا زمانہ ہوتا ہے آپ کو اسی وقت سے ہی خوف آخرت دامن گیر ہو گیا تھا، موت کو یاد کر کے روتے رہتے۔ اسی طرح ایک دفعہ رو رہے تھے، قرآن سینے سے لگا ہوا تھا والدہ نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا ''مجھے موت یاد آ گئی تھی'' یہ سن کر والدہ بھی رونے لگیں۔

کبھی آہ لب سے نکل گئی، کبھی اشک آنکھ سے ڈھل گئے
یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں، کبھی بجھ گئے، کبھی جل گئے

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبی، رقم ۲۲۷۶

عالم شباب (خلافت کے بعد)

اگرچہ خلافت سے پہلے بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ صفات حسنہ کے مالک تھے لیکن خلافت کے بعد آپ کے اخلاق حسنہ میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو گیا چنانچہ آپ نے خلافت کے منصب پر فائز ہوتے ہی "خلافت علی منہاج النبوۃ" کا آغاز فرما دیا۔ آپ نے گذشتہ خلفاء کی غلطیوں کو دور کیا۔ تمام مغصوبہ جائدادوں اور مال و اسباب کو ان کے اصل مالکوں اور حقداروں تک پہنچایا اور اس کا آغاز اپنے گھر سے اور اپنے خاندان کے افراد کی جائدادیں واپس کر کے کیا۔ اس سلسلے میں امراء اور سرداروں نے طرح طرح سے رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی مگر ان کے سارے منصوبے ریت کی دیوار ثابت ہوئے اور رفتہ رفتہ عمر ثانیؒ کے عدل و انصاف کا آفتاب حق کی بلندیوں کو چھونے لگا۔

آپ کو خاندان کی برہمی اور امراء کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے اور آپ کے انصاف کی داستان رحمت بن کر عوام پر برستی رہی۔ آپ نے ظالم افسروں کو برطرف کر دیا۔ ظلم و جبر کا انسداد کیا۔ بیت المال کی اصلاح کی، قومی خزانے کو محفوظ کیا، عدل و انصاف کے حصول کو آسان ترین کام بنایا، رشوت، بد عنوانی، دھوکہ دہی، اثر و رسوخ کے ناجائز استعمال، اقربا پروری و مفاد پرستی، قومی خزانے کو شیر مادر سمجھنے کے مجرم اور اس جیسی دیگر برائیوں کی خطرناک شکلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان کی جگہ شورائیت اور خلافت راشدہ کے نظام کو رائج کیا۔ اس طرح آپ نے دینی، سیاسی، اقتصادی، ملکی اور سماجی خدمات کی ایک طویل فہرست تاریخ کے سینے میں رقم کر گئے اور اس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول سچ ثابت ہوا کہ:

"میری اولاد میں سے ایک شخص دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا"

زندہ رہے بزم چمن کے ہیں جب سے دم تک
پھر گلستاں میں یہ نغمے ہم سنائی دیں گے

اخلاق و عادات

خلافت سے پہلے اگرچہ سب سے زیادہ خوش پوش، خوش مزاج اور خوش کلام تھے لیکن جونہی مسندِ خلافت میں قدم رکھا تو دل کی دنیا ایک عظیم انقلاب سے جاگ اٹھی۔ نمائش و دنیاوی زینت آپ نے دنیا بخش دی اور انہیں مکمل ترک کر دیا۔ آپ زندگی کا نقشہ یہ یوں تھا "بقدرِ ضرورت پانی، غذا بقدرِ ضرورت تھی۔ ایک دن کا خرچ صرف دو درہم تھا جو اہل و عیال پر خرچ کر دیتے تھے۔[1] خشیت الہٰی و خوفِ الہٰی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے، اپنا وقت اسی حالت میں بیٹھ کر گزارتے کہ جیسے رسول ﷺ کی مجلس میں حاضری ہو چکی تھی۔ زہد و ورع اور تقویٰ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا جس کا اثر زندگی کے ہر ہر شعبہ پر غالب تھا۔ دن خدمتِ خلق میں اور راتیں عبادتِ الٰہی میں بسر ہوتیں اور یادِ الٰہی اور نالۂ نیم شبی سے زندہ رہتیں۔ آپ نے کتنی ہی راتیں ایسی گزاریں جن میں آپ کی آنکھوں نے نیند کا سرمہ نہ لگایا۔ کتنے ہی دن ایسے تھے جن میں آپ کی کمر کو بستر نصیب نہ ہوا۔ منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد آپ پر کبھی کسل طاری نہ ہوا، کبھی چہرے پر مسکراہٹ نہ بکھری، ہر لمحہ آخرت کے معاملات پیشِ نظر رہتے اور آپ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے اور اسی کو پوری زندگی کی "متاعِ عزیز" سمجھتے!

ذوقِ فنا سے کوئی یہاں آشنا نہیں
ورنہ خودی میں بات ہے کیا؟ غم میں کیا نہیں

"حق گوئی" کی صفت بھی آپ کو اپنے جد امجد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ورثہ میں ملی تھی، آپ حق بات کہنے میں بڑے سے بڑے حاکمِ وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ لیکن اسلوبِ بیان اور سمجھانے کا انداز نہایت حکیمانہ اور مدبرانہ ہوتا تھا۔ ان صفات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عاجزی و انکساری اور حسنِ اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ عاجزی کا یہ عالم تھا کہ عام بندہ مجلس میں آتا تو پہچان نہ سکتا کہ امیر المومنین کون

۱۔ سیرت خلیفہ عادل ابن عبدالحکم ص ۱۵۸

ہیں؟ اور حسن اخلاق یہ کہ اپنے کسی چوکیدار یا خادم کے آرام میں خلل ڈالنا بھی برداشت نہ تھی۔ چنانچہ ایسی صورت میں آپ اٹھ کر اپنا کام خود کر لیتے اور خدمت گزاروں کے آرام میں خلل نہ آنے دیتے۔

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخ چمن پہ بار نہ ہو

خدماتِ جلیلہ

جہاں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے بحیثیت خلیفہ وحکمران اپنی ذمہ داریوں کو بطریق احسن واکمل انجام دیا وہیں دوسری طرف آپ نے بحیثیت ایک مومن کامل ہونے کے خدمات دینیہ میں بھی تجدیدی کارنامے سرانجام دیئے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی آپ کی خدمت حدیث بھی ہے اور حدیث کے باب میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ "تدوین حدیث" ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر آپ تدوین کا منصب بخوبی سرانجام نہ دیتے تو حدیث نبوی ﷺ کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جاتا اور امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) اس عظیم دولت سے محروم ہو جاتی۔

اسی طرح آپ نے فقہ اسلامی کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور اس کی اشاعت کا بھی بھرپور انتظام واہتمام فرمایا۔ علامہ مزیؒ نے لکھا ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خود مجتہد اور کامل درجے کے فقیہ تھے اور علم وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے اور بہت سی احادیث مبارکہ کے راوی بھی ہیں۔[1]

یہی وجہ تھی کہ آپ اشاعت دین میں مخلص ہونے کی بنا پر علماء، محدثین وفقہاء کرام رحمہم اللہ کی بہت زیادہ عزت وتوقیر اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے جبکہ شعراء بے عمل رونقی خطباء اور حصول دنیا کی غرض سے حاضر ہونے والے ادباء کے ادبی شہ پارے آپ کے سامنے دھرے کے دھرے رہ جاتے وہ آپ کے سامنے آکر اور زبانوں پہ یہ جملہ لئے ہوئے واپس لوٹ جاتے کہ "یہ شخص شعراء کو نہیں فقراء کو دیتا ہے"۔

---

[1] تہذیب التہذیب (۲۲۳/۷) از سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ص۲۵

فضائل و مناقب

"اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے" اس آیت مبارکہ کی روشنی میں آپ کی فضیلت و منقبت کھل کر سامنے آجاتی ہے کیونکہ "تقویٰ" اور "خوف الٰہی" آپ کا سب سے نمایاں وصف تھا۔

علاوہ ازیں! آپ کا شمار دنیا کی عظیم المرتبت ہستیوں اور آئمہ میں ہوتا ہے، حافظ ذہبی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں

"الامام الحافظ العلامة المجتهد العابد السيد"[1]

"امام، حافظ، علامہ، مجتہد، عبادتگزار اور سردار"

علامہ مزی رقمطراز ہیں:

"الامام العادل و الخليفة الصالح و كان من آئمة العدل و اهل الدين و الفضل"[2]

"آپ امام عادل، نیک خلیفہ، عادل آئمہ اور اہل دین و اہل فضل میں سے تھے"

امام نووی فرماتے ہیں:

"ان کی جلالت علمی، فضیلت، صلاح، زہد و ورع، عدل و انصاف، مسلمانوں پر شفقت، حسن سیرت، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان تھک جدوجہد کرنے والا ہونے، سنت نبوی ﷺ اور آئمہ کا متبع ہونے اور خلفائے راشدین کی اقتدا کرنے میں سب کا اتفاق ہے"[3]

اسی طرح اسماء الرجال کی تمام کتب معتبرہ آپ کی عظمت و شان کے گن گا رہی ہیں۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے......!

اس جہان فانی میں کوئی صدا رہنے کے لئے نہیں آیا، ہر ایک کو اپنے مقررہ وقت پر ۔

۱۔ سیر اعلام النبلاء (۵/۱۱۴) ۲۔ تہذیب الکمال بحوالہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز

۳۔ تہذیب الاسماء (۲/۱۸) بحوالہ ایضاً

اس جہان سے اس جہان کی طرف رخت سفر باندھتا ہے جس جہان کو سنوارنے کے لئے اس جہان کی حیات چند روزہ دی گئی ہے۔ سیدنا حضرت عمر رحمہ اللہ نے بھی جب اس جہان کو خیرباد کہہ کر اپنے حقیقی رب سے ملاقات کا شرف پایا تو اس شان سے آغاز سفر ہوا کہ قرآن پاک کی آیت کریمہ لب زبان معطر تھی اگرچہ تاریخ آپ کی ایمان افروز داستان سنہری حروف سے رقم کر رہی تھی مگر آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔[1]

(اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن)

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہم ہی سو گئے، داستان کہتے کہتے

آپ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن دیگر حکمرانوں اور نامیوں کی طرح آپکا نام نہیں مٹا اور انشاء اللہ تا قیام قیامت دنیا آپ کو یاد کرتی رہے گی اور آپ کی خراج تحسین پیش کرتی رہے گی اور یوں آپکی یادوں کا گلستان بھی مہکتا رہے گا!

ء کلیوں کو خون جگر دے کر چلا ہوں
برسوں دنیا مجھے یاد کرے گی

ء دیوانے گذر جائیں گے ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا رہے گا

ء آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آیئے سیدنا حضرت عمر رحمہ اللہ کی اسی ایمان افروز داستان حیات میں سے چیدہ چیدہ واقعات کے مطالعہ سے اپنی روح کو بالیدگی اور ایمان کو تازگی بخشتے ہیں۔

[1] القصص ۸۳

خون ابلتے دیکھا تو بجائے پریشان ہونے کے بجائے ہنسنے لگے اور بے ساختہ ان کی زبان
سے نکلا "اللہ اکبر! یہ بنی مروان کا اشج ہے جو حکمران ہوگا"۔ گویا آپ کے بھائی نے سیدنا
فاروق اعظمؓ کے خواب کی تعبیر بتادی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کی پیشانی خون سے تر ہو رہی تھی، زخم کی گہرائی سخت تکلیف دہ تھی۔ وہ
آپ رو رہے تھے لیکن اصبغ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ برابر ہنس رہے تھے اور چیخ چیخ کر یہ
کہہ رہے تھے کہ میرا یہ بھائی بنو مروان کا اشج ہے عمر میں سیدنا فاروق اعظمؓ کی جھلکیاں تو
سب گھر والوں کو پہلے ہی نظر آرہی تھیں لیکن جب آپ زخمی ہوگئے تو اصبغ سے صبر نہ ہوسکا
اور وہ ظہور تعبیر کے یقین کی وجہ سے ہنستے ہوئے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے خواب
کی تعبیر کے ظہور کا اعلان کر رہے تھے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ
میرا بھائی کیوں خوش ہے اور چیخ چیخ کر اللہ اکبر کے نعرے کیوں لگا رہا ہے۔ جونہی یہ خبر آپ کی
والدہ ام عاصمؒ کو ملی، تو وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے نور نظر کو سینے سے چمٹا لیا،
چہرے سے خون کو صاف کیا، بچے کو تسلی دی۔ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن پھر
جب انہیں پتہ چلا کہ میرے بچے کی چوٹ پر اس کا بڑا بھائی ہنس رہا ہے تو سخت پریشان
ہوگئیں اور اپنے شوہر عبدالعزیزؒ سے اصبغ کی شکایت کی اور خود بھی اصبغ کو ڈانٹا کہ تم میرے
لخت جگر کو اصطبل کیوں لے گئے اور پھر جب وہ گھوڑے کی دولتی سے زخمی ہوا تو اس پر برابر کیوں
ہنس رہے تھے؟ عبدالعزیزؒ بھی بیوی کی شکایت سن کر پہلے تو اپنے لخت جگر عمر کی پیشانی سے
خون پونچھتے رہے اور پھر اصبغ پر ناراض ہونے لگے۔ یہ تمہارا چھوٹا بھائی تھا۔ اس کی پیشانی
لہولہان ہوگئی اور وہ تکلیف سے رونے لگا اور تم اس کی تکلیف سے خوش ہو کر نعرے لگاتے
رہے اور ہنستے رہے۔ ہنسنے کا یہ کون سا موقع تھا؟ اصبغ نے باپ کی ڈانٹ سن کر کہا ابا! یہ
بات نہیں، مجھے اس وجہ سے ہنسی نہیں آئی کہ میرا بھائی گرا اور اس کی تکلیف سے خوش ہوا،
بلکہ میں خوش اس وجہ سے ہوا کہ میں اپنے اس بھائی میں زخم کے نشان کے علاوہ وہ تمام
نشانیاں دیکھ رہا تھا۔ جو خواب میں سیدنا فاروق اعظمؓ نے دیکھی تھیں۔ پھر جب یہ زخمی
ہوگیا تو مجھے اس زخم سے خوشی اور مسرت ہوئی کیونکہ اس میں تمام علامات مکمل ہوگئی تھیں۔

اور اللہ کی قسم! یہ بنو امیہ کے اشج ہیں۔ اصبغ کی یہ بات سن کر عبدالعزیزؒ خاموش ہو گئے اور آپ کے زخم کو دوبارہ نہایت غور سے دیکھنے لگے۔ پھر اپنی بیوی ام عاصم سے کہا: دیکھو تمہارا بیٹا جو مروان کا اشج ہے اور واقعی اس کی پیشانی سے سعادت جھلکتی ہے۔ اسی زخم کی وجہ سے لوگ عمرؒ کو اشج بنی مروان کہتے تھے اور امرائے بنی امیہ ولید اور عبدالملک کے فرزند خصوصاً اس علامت کی وجہ سے آپ کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے۔ لیکن روایات میں ہے کہ عبدالملک بن مروان اپنے اس بھتیجے کو بچپن ہی سے نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اپنے قریب بٹھاتے، اور آپ کے سر پر دست شفقت پھیرا کرتے تھے اور جب کبھی کوئی ان کی بات پر اعتراض کرتا تو فرماتے ”تمہیں کیا پتہ کہ اس بچے کا کیا مقام ہے یہ سریر آرائے خلافت ہوگا۔ کیونکہ یہ اشج بنی مروان ہیں اور سیدنا فاروق اعظمؓ کے خواب کی تعبیر ہے کہ جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی تو یہ اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا پھر میں اس کو مقرب اور محبوب کیوں نہ بناؤں۔[1]

(قصہ ۴) ❁ والد کی آغوش تربیت میں ❁

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز میں دیر کر دی اور جماعت ہونے کے بعد مسجد میں تشریف لائے تو آپ کے استاد صالح بن کیسان نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا ”بال سنوارنے میں دیر ہو گئی تھی“ شاگرد کے جواب نے استاد کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور وہ سمجھے کہ شاگرد کے دل میں بالوں کی اہمیت نماز باجماعت کی اہمیت سے زیادہ ہے کیونکہ بالوں کی آرائش میں شغف کو نماز پر ترجیح دی گئی ہے۔

چنانچہ انہوں نے فوراً عمر (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد ماجد عبدالعزیزؒ کو یہ واقعہ اور شاگرد کا یہ جواب لکھ کر بھیجا۔ انہوں نے فوری طور پر ایک شخص روانہ کیا جس نے مدینے میں داخل ہوتے ساتھ ہی سب سے پہلے حضرت عمر (رحمۃ اللہ علیہ) کے بال مونڈھے اور بعد میں کسی سے بات کی۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن جوزی، الخلیفۃ العادل عمر بن عبدالعزیزؒ لابن عبدالحکم ص ۳۰،۳۰

[2] سیر اعلام النبلاء (۵/۱۲۶) سیرۃ ابن الجوزی ۹، البدایۃ والنہایۃ (۹/۹۳)

(قصہ ۴) استاد و شاگرد کا روحانی تعلق

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک استاد عبیداللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ تھے۔ آپ کو ان سے بڑی محبت و عقیدت تھی اور آپ ان کو سب پر ترجیح دیتے تھے اور ان کی مجلس میں کثرت سے آتے جاتے تھے کیونکہ آپ علم کا ایک بے پایاں سمندر تھے۔ اس استاد کا اثر آپ پر پوری زندگی رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ سے فرمایا: جب مجھے غصہ آتا ہے تو گویا میں اپنے سامنے اپنے استاد عبیداللہ کو کھڑا پاتا ہوں کہ وہ مجھ سے مخاطب ہیں اور مجھے غصہ سے منع فرما رہے ہیں[1]

(قصہ ۵) ﴿شہرِ نبویﷺ میں تربیت﴾

حضرت عمرؒ کے والد حضرت عبدالعزیزؒ مصر کے گورنر تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ ام عاصم کو لکھا کہ اپنے بیٹے عمر کو اپنے ساتھ لے کر حلوان مصر آجاؤ۔ انہوں نے اپنے تایا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا: تم مصر چلی جاؤ اور عمر کو یہیں مدینہ میں رہنے دو تاکہ اسے مدینہ کی پر فضا علمی آب و ہوا میں تعلیم و تربیت کی دولت سے مالا مال کیا جاسکے۔ چونکہ حضرت عمرؒ اپنے نانا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مشابہت کی وجہ سے آل خطاب کی محبت و شفقت کا مرکز تھے۔ اس لئے ام عاصم اپنے بیٹے عمر کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر حلوان مصر چلی گئیں۔ جب وہ مصر پہنچیں تو عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا: عمر کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں اسے تعلیم و تربیت کے لیے مدینہ کی خوشگوار علمی فضا میں چھوڑ آئی ہوں۔ اس سے عبدالعزیزؒ کو بڑی خوشی ہوئی کہ میرا بیٹا اپنے ماموؤں کے سایۂ عاطفت و شفقت میں تعلیم و تربیت حاصل کرے گا۔

چنانچہ عبدالعزیزؒ نے خود بھی فوری طور پر اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی اور اپنے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو بھی دمشق میں اس بارے میں ایک خط لکھا۔ خط پڑھ کر

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز

عبدالملک کو بہت خوشی ہوئی۔ اس نے اپنے بھتیجے کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک ہزار دینار وظیفہ ماہانہ جاری کر دیا۔ الغرض عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعلیم و تربیت مدینہ طیبہ جیسی مقدس اور ماحول میں جود و کرم کے نعمت کدوں اور چچاؤں کے مال و دولت اور بزرگوں کی شفقتوں کے زیر سایہ ہوئی۔[1]

(قصہ ۶) ﴿شیشے سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر﴾

آپ کے مزاج کی حدت و شدت آپ کو ورثہ میں ملی تھی۔ آپ کے غلام بھی آپ کے غصہ و ناراضگی سے تنگ رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے عنفوانِ شباب میں اپنے ایک غلام کو مارا تو غلام نے دل میں ارادہ کیا کہ آپ کے مزاج کی تیزی کو ختم کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایک روز اس نے اس وقت جب کہ آپ خوشگوار موڈ میں تھے آپ سے پوچھا: "آپ نے کبھی کوئی ایسا قصور کیا ہے جس سے آپ کا آقا آپ سے ناراض ہو گیا ہو اور آپ کو فوری سزا دی ہو؟" انہوں نے کہا: نہیں۔ غلام نے کہا: پھر آپ نے مجھے کیوں فوری سزا دی جب کہ آپ کو فوراً سزا نہیں دی گئی۔ یہ جملہ سن کر آپ نادم ہوئے، قلب پر رقت طاری ہو گئی اور غلام سے فرمایا: "جا تو اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔"[2]

(قصہ ۷) ﴿کوئی محفل ہو اس کو ہم تیری محفل سمجھتے ہیں﴾

ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ساتھ سفر میں تھے۔ کچھ ساتھیوں کے سامان پیچھے رہ گئے اس وجہ سے شاہی سواری پیچھے ٹھہر گئی۔ جن کے سامان روانہ ہو چکے تھے وہ آرام سے تھے لیکن جن کے سامان روانہ نہیں ہوئے تھے ان کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ بس اتنی سی بات پر حضرت عمرؒ کو آخرت یاد آ گئی اور آپ فرطِ تاثر سے رو پڑے۔

خلیفہ عبدالملک نے رونے کا سبب پوچھا؟ تو فرمایا:

"کل قیامت کے روز بھی ایسا ہی ہو گا جس نے یہاں سے کچھ (عمل صالح) بھیجا ہو گا تو اسے تو وہاں (اچھا بدلہ) ملے گا اور جس نے نہ بھیجا ہو گا وہ محروم رہے گا۔"[3]

۱؎ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۲؎ ایضاً ۳؎ فضائل العدل ابن [illegible] صفحہ ۴۴

یہ کلمات سن کر ان حضرات کو حیرانی بھی ہوئی اور خوشی اور مسرت بھی، کیونکہ انہوں نے آج تک کسی گورنر کے منہ سے ایسی بات نہیں سنی تھی۔ لہٰذا یہ فقہاء رحمہم اللہ حضرت عمر رحمہ اللہ کو دعائیں دیتے ہوئے واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔[1]

(قصہ ۹) ﴿حضرت عمرؒ کا علماء سے راہنمائی لینا﴾

ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ آپ نے اس زمانہ میں کئی حج بھی کیے اور سب سے پہلا حج آپ نے ۸۹ھ میں کیا۔

سہیل بن ابی صالح کا بیان ہے کہ عرفہ کی صبح میں اپنے والد کے ساتھ عرفات میں کھڑا تھا اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ امیر الحج تھے۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جونہی میں نے انہیں دیکھا تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ جب بھی کوئی شخص انہیں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ان کی محبت پیوست ہو جاتی ہے اور آپ نے تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت عمرؒ نے ان علماء کو اس لیے بلایا تھا کہ یہ آپ کی حکومتی معاملات میں اعانت کریں اور انہیں صحیح مشورہ دیں۔ چنانچہ علماء مجلس شوریٰ میں آ کر بیٹھ جاتے۔ حضرت عمرؒ انہیں اپنے عزائم سے آگاہ کرتے اور فرماتے کہ میں آپ سب حضرات کے مشورہ کے بعد ہی کسی کام کا فیصلہ کر سکتا ہوں لہٰذا آپ حضرات معاملہ کی چھان بین کریں۔[2]

(قصہ ۱۰) ﴿مسجد نبویؐ کی توسیع اور ولید کی آمد﴾

سن ۹۰ھ میں جب مسجد نبوی کی توسیع کا کام مکمل ہو گیا تو سنہ ۹۱ھ میں ولید نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور اپنی آمد کے بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کو آگاہ کیا۔ جب ولید حج کے لیے دمشق سے نکلا تو حضرت عمرؒ ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ خلیفہ کے استقبال

---

[1] سیر اعلام النبلاء جلد ۵ ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۳۳۲، تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۴، تہذیب الکمال جلد ۲۱ ص ۴۳۵

[2] سیر اعلام النبلاء (۱۱۹/۵)

کے لیے روانہ ہوئے۔ اس جلوس میں مدینہ منورہ کے اکابرین سے تیس حضرات شامل تھے۔ اس جلوس میں اونٹوں اور گھوڑوں پر لدا ہوا کافی سامان بھی تھا۔ یہ جلوس سویداء تک گیا۔

خلیفۂ مسلمین سواری پر تھے۔ خلفاء کے آداب میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر لوگ خلیفہ کی آمد کے وقت سوار ہوں تو خلیفہ کو دیکھ کر وہ سواریوں سے اتر جائیں اور اگر بیٹھے ہوں تو کھڑے ہو جائیں لیکن اس جلوس کے لوگ خلیفہ کو دیکھ کر اپنی سواریوں سے نہ اترے۔

پھر ولید نے گورنر مدینہ حضرت عمر رحمہ اللہ کو اپنے پاس بلایا اور ان کے ساتھ چلتا رہا حتیٰ کہ ذی خشب میں جو مدینہ منورہ سے ایک دن کے فاصلے پر واقع ہے اتر گئے۔[۱]

﴿قصہ ۱۱﴾ گورنری سے معزولی

سنہ ۹۳ھ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز گورنری کے عہدے سے معزولی کے بعد اپنے ایک غلام مزاحم کے ساتھ رات کی تاریکی میں مدینہ طیبہ سے دمشق جانے کا ارادہ کر کے نکلے۔ اس وقت اگرچہ پورا مدینہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا لیکن مدینہ اور مکہ کا یہ سابقہ گورنر جس کا سامان تیس اونٹوں پر مدینہ منورہ آیا تھا اب صرف ایک غلام مزاحم کے ساتھ مدینہ سے نکلا تاکہ ان کے نکلنے کا کسی کو پتہ نہ چلے۔ مدینہ سے نکلتے وقت انہیں دو احادیث نبوی ﷺ یاد آئیں۔ ایک یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی مدینہ سے نہیں نکلے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے بہترین بدلہ دے گا یا اس کے مثل دے گا۔ اور دوسری حدیث یہ ذہن میں آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے کہ وہ میل کچیل اور گندگی نکال باہر کرتا ہے۔ آپ نے نہایت بے چینی کی حالت میں اپنے خادم مزاحم سے فرمایا: مزاحم! ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم ان میں سے نہ ہوں جن کو مدینہ نکال باہر کرتا ہے۔"[۲]

---

۱ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ۲ بخاری (۵/۵۶)

(قصہ ۱۲) حاکم وقت "ولید" کو نصیحت

حضرت عمرؓ دار الخلافت دمشق میں ولید کی مجلس شوریٰ کے رکن مقرر ہو گئے تھے چنانچہ اب حالت یہ تھی کہ آپ کو جب بھی موقع ملتا تو آپ ولید کو اس کے ملکی کاموں کے سلسلہ میں آڑے ہاتھوں لیتے اور "الدین النصیحۃ" کے طور پر اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو بعض دفعہ ڈانٹ بھی دیتے۔

چنانچہ ایک روز ولید سے فرمایا "امیر المؤمنین! میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں لہٰذا جب آپ خلافت کے کاموں سے مکمل طور پر سکون و اطمینان کی حالت میں ہوں تو آپ مجھ سے وہ نصیحت معلوم کر لیں۔ ولید نے پوچھا اس وقت اس نصیحت سے کوئی شے مانع ہے۔ فرمایا: مانع تو کچھ نہیں لیکن آپ کا قلب چونکہ اس وقت سکون سے عاری ہے۔ لہٰذا آپ اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اس کو نہیں پا سکیں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ایک روز سیدنا عمرؓ شامیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو ولید نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "ابو حفص! آپ وہ نصیحت فرمائیں۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: امیر المؤمنین! سنیے! اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ناحق خون بہانا ہے۔ آپ کے گورنر اور امراء لوگوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور آپ کو اس کا سچا جھوٹا جرم لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس گناہ عظیم کے بارے میں آپ ہی سے بازپرس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑ آپ ہی کی ہوگی کیونکہ آپ نے انہیں گورنر مقرر کیا ہے۔ لہٰذا آپ انہیں لکھ دیں کہ کوئی گورنر کسی کو قتل نہ کرے جب تک کہ اس جرم کی آپ کو اطلاع نہ دی جائے اور پھر ان کے اس جرم پر شرعی شہادت پیش نہ کی جائے۔ پھر آپ خود اس کے بارے میں اپنا حکم صادر فرمائیں کہ وہ واجب القتل ہے یا نہیں۔ بات درست تھی۔ لیکن نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد کے اصول کے تحت ولید کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ اپنا غصہ پی گیا اور بولا "ابو حفص! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکات نچھاور فرمائے۔"[1]

---

۱ الخلیفۃ العادل عمر بن عبد العزیز از [illegible] ص ۱۳۷

(قصہ ۱۳) ﴿اعلانِ حق کا عجیب واقعہ﴾

حضرت عمرؒ نے ولید کو نصیحت کرنے کے بعد ایک دن عین دوپہر کے وقت ولید نے خلافِ معمول حضرت عمرؒ کو بلوالیا۔ جب وہ ولید کے دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ خفگی کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے ہیں۔ ولید نے اشارہ کر کے انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ حضرت عمرؒ نے دیکھا کہ ایک بے رحم جلاد خالد بن ریان برہنہ تلوار لئے ولید کے پاس کھڑا ہے۔ پھر ولید نے اس خارجی سے پوچھا جس کو کوفہ سے ولید کے دربار میں بھیجا تھا کہ فلاں فلاں خلیفہ کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ خارجی نے ان خلفاء کی مذمت کرنا شروع کر دی پھر ولید نے اپنے بارے میں پوچھا کہ تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس خارجی نے صاف جواب دیا تو ایک ظالم اور متکبر شخص ہے۔ اللہ تجھ پر لعنت کرے۔ ولید نے اسی وقت جلاد خالد بن ریان کو حکم دیا کہ اس کا سر اس کے جسم سے جدا کر دیا جائے۔ جلاد نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی۔

اب ولید نے حضرت عمرؒ سے پوچھا جو لوگ خلفاء کو گالیاں دیتے ہیں ان کو قتل کرنا چاہئے یا نہیں؟ آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ولید کے دو تین دفعہ پوچھنے پر بھی آپ خاموش رہے۔ جب ولید نے بار بار پوچھا تو حضرت عمرؒ نے مہرِ خاموشی توڑتے ہوئے جواب دیا کہ سزا دی جائے۔ اس جواب سے ولید کو سخت غصہ آیا۔ وہ حضرت عمرؒ کے منہ سے قتل کا فتویٰ کہلوانا چاہتا تھا کیونکہ آخر حضرت عمرؒ ایک محدث اور فقیہ بھی تھے۔

اس غصے کی حالت میں ولید گھر چلا گیا اور جلاد نے حضرت عمرؒ کو واپس جانے کا کہا۔ حضرت عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں دربارِ خلافت سے واپس تو آ گیا لیکن نہایت ڈرا ہوا تھا کہ شاید خلیفہ ناراضگی میں میرے متعلق بھی کوئی غلط حکم نہ دے دے۔ میں گھر آ کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ولید نے حضرت عمرؒ کو اپنے گھر بلوایا اور پھر اس خارجی کے بارے میں ان کی رائے طلب کی کہ میں نے جو اس کے قتل کا حکم دیا تھا وہ درست تھا یا نہیں؟ اب حضرت عمر رحمہ اللہ نے فرمایا امیر المؤمنین! اس کا قتل درست نہ تھا البتہ اسے کوئی سزا دی جا سکتی تھی

دو، اگر آپ چاہتے تو اس کو معاف بھی کیا جا سکتا تھا ورنہ پھر قید کر دیتے۔

ولید کی طبع نازک پر یہ بات گراں گزری کیونکہ وہ اپنے اس شخص کے جواز پر ان سے جو فتویٰ حاصل کرنا چاہتا تھا جو انہوں نے نہ دیا۔ لہٰذا وہ غصے سے بھڑک اٹھا۔ حضرت عمرؒ نے اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ایک مخلص و صادق خیر خواہ کے انداز میں اٹھ کر اپنے گھر کی طرف بڑھے۔ ان کے پیچھے پیچھے جلاد خالد بن ریان بھی نکلا جو اپنے آقا ولید کے غصہ کو کئی بار دیکھ چکا تھا اور اس کے سامنے حضرت عمرؒ کا فتویٰ بھی سن چکا تھا۔ اس نے حضرت عمرؒ سے کہا: "ابو حفص! اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے امیر المومنین سے بحث کی جس سے مجھے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں امیر المومنین آپ کے بارے میں بھی وہی حکم نہ دے دیں جو انہوں نے اس خارجی کے بارے میں دیا تھا۔" حضرت عمرؒ جلاد کی یہ بات نہ گوارا کر سکے لیکن آپ نے مصلحت کے پیش نظر اپنا غصہ ضبط کر لیا اور جلاد سے پوچھا: اگر امیر المومنین تجھے میرے قتل کا حکم دیتے تو کیا تو اس کی تعمیل کرتا؟ اس نے لپک کر جواب دیا: واللہ! ضرور تعمیل کرتا۔ حضرت عمرؒ اس کے جواب پر خاموش ہو گئے لیکن جلاد کی اس بات کو انہوں نے زندگی بھر دل میں محفوظ کر لیا۔[1]

(قصہ ۱۳) ﴿حضرت عمرؒ کی نظر بندی﴾

اس واقعہ کے بعد ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ایک اور مسئلہ میں الجھانا چاہا۔ وہ یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے ہٹا کر اپنی اولاد کو خلافت منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے حضرت عمرؒ کے تعاون کی ضرورت تھی۔ جب اس نے اس بارے میں سیدنا عمرؒ سے بات کی تو انہوں نے جواب دیا: "امیر المومنین! ہم نے آپ دونوں بھائیوں کی ایک ہی وقت میں بیعت کی تھی لہٰذا آپ سلیمان کو کیسے الگ کر سکتے ہیں؟"

اس بات نے ولید اور حضرت عمرؒ کے درمیان اختلافات کی خلیج کو اور زیادہ کر دیا اور دونوں طرف نفرت کے جذبات بڑھنے شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ولید نے حضرت عمرؒ کو تین

---

[1] سیرۃ ابن جوزی ص ۴۹، کتاب الخلیفۃ العادل از ابن عبد الحکم ص ۳۶

(قصہ ۱۶) آپ کی مجلس سے خدا کی زمین وسیع ہے...!

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی حضرت عمرؒ اور سلیمان میں رنجش بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؒ اور سلیمان کسی کے ساتھ میں جہاد کے لیے نکلے۔ راستہ میں ان دونوں کے غلام پانی پر لڑ پڑے اور حضرت عمرؒ کے غلاموں نے سلیمان کے غلاموں کو پیٹ ڈالا۔ سلیمان کے غلاموں نے اپنے آقا سے اس بارے میں شکایت کی۔ سلیمان نے حضرت عمرؒ سے کہا کہ آپ کے غلاموں نے میرے غلاموں کو پیٹا ہے۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا مجھے علم نہیں۔ سلیمان نے اس بارے میں سخت کلامی سے کام لیا تو حضرت عمرؒ اس سے ناراض ہو کر کہنے لگے۔ جب سے میں ہوشیار ہوا ہوں میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پھر حضرت عمرؒ یہ کہتے ہوئے سلیمان کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے کہ "آپ کی مجلس سے خدا کی زمین وسیع ہے"۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے مصر جانے کا ارادہ اور تیاری کرلی۔ جب سلیمان کو آپ کے مصر جانے کا پتہ چلا تو انہیں ناگوار گزرا۔ بعد میں ان کی پھوپھی نے ان دونوں کی صلح کرا دی اور پھر پھوپھی کے کہنے پر حضرت عمرؒ سلیمان کے پاس چلے گئے۔ سلیمان نے ان سے معذرت کرلی اور کہا "ابوحفص! جب کبھی کوئی غم یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو مجھے آپ ہی یاد آتے ہیں"۔ چنانچہ سیدنا عمرؒ نے مصر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔[1]

(قصہ ۱۷) خلافت عمرؒ کے بارے میں مشورہ

سلیمان بن عبدالملک دابق میں مقیم تھا کہ اسی مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت تک ولی عہد کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ جب حالت زیادہ خراب ہوئی اور وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے نابالغ بیٹے ایوب کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ اس وقت "محدث رجاء بن حیوۃ کندی" اس کے پاس موجود تھے۔ انہوں نے کہا "امیر المومنین! خلیفہ کی صلاح، نیک اور صالح و دیانتدار آدمی کو بنانا چاہیے تاکہ قبر میں امن اور قیامت

[1] سیرۃ ابن جوزی ص ۳۲۱

کی نگاہ ڈال لیں"۔

یہ وصیت نامہ سر بمہر کر کے حضرت رجاء بن حیوۃ کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ وہ خاندان کے لوگوں کو اکٹھا کر کے بغیر نام کے ظاہر کیے ان سے نامزد خلیفہ کی بیعت لے لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا واطعنا کہا اور بیعت کر لی۔ اس کے بعد پھر سب اہل خاندان سلیمان کو دیکھنے کے لیے گئے اور ان کے سامنے سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔[1]

(قصہ ۱۸) ﴿خلافت کی "ثمرہ"﴾

بعض روایات میں ہے کہ موت کے وقت جب سلیمان کو جھٹکے لگے اور اس کی بے قراری میں اضافہ ہوا تو اس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے بچے میرے سامنے پیش کیے جائیں یعنی تلواریں لگی ہوئی ہوں، زرہیں پہنی ہوئی ہوں اور لڑائی کی چادریں اوڑھے ہوئے ہوں شاید میں اپنے کسی بچے میں شجاعت کے آثار دیکھوں اور اس کے حق میں خلافت کی وصیت کر جاؤں۔ رجاء بن حیوۃ نے حکم کی فوری طور پر تعمیل کی اور اس کے سب بچے اسی حالت میں اس کے سامنے پیش کیے گئے۔ سلیمان نے انہیں دیکھ کر کہا:

ان بنی صبیۃ صغار   افلح من کان لہ کبار

"میرے بچے چھوٹے ہیں۔ وہ کامیاب ہے جس کے بچے بڑے ہوں"۔

اس وقت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ بولے:

"قد افلح من تزکی، و ذکر اسم ربہ فصلی"[2]

"وہ کامیاب ہو گیا جو پاک ہوا اور اس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی"۔

یہ آیت سن کر سلیمان چونک گیا پھر اس نے اپنے دل میں کہا کہ وہ خلافت کی ثمرہ اس عمر کے ہاتھ لگے گا کہ اس میں شیطان کا حصہ نہ ہوگا۔[3]

۱۔ البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۱۸۵ [illegible]

۲۔ الاعلیٰ پ ۳۰   ۳۔ سیرۃ ابن الجوزی ص ۳۰

(قصہ ۱۹) ﴿خلافت سے پہلے۔۔۔﴾

سیدنا عمرؒ اگرچہ خلافت کے خواہاں نہ تھے ورنہ انہوں نے اس کے لئے کوئی دوڑ دھوپ کی لیکن ان کو ظن غالب تھا کہ سلیمان انہی کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ یہ گمان اسی روز سے تھا جس روز سلیمان خلیفہ بنے تھے۔ نوروز اور مہرجان کے دن سلیمان کے پاس سونے کے برتنوں میں تحائف کی بھرمار ہوتی تھی۔ جب لوگ تحائف لے کر آتے اور حضرت عمرؒ وہاں موجود ہوتے تو جب بھی کوئی تحفہ لے کر گزرتا تو سلیمان پوچھتے: ''عمر! کہو یہ کیسا ہے؟''

حضرت عمرؒ جواب دیتے ''امیر المومنین! یہ تو دنیوی زندگی کی پونجی ہے۔'' سلیمان پوچھتے: ''اچھا اگر تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے تو تم ان کا کیا کرو گے؟'' حضرت عمرؒ جواب دیتے: ''امیر المومنین! اللہ گواہ ہے کہ میں انہیں بانٹ دوں گا اور ایک بھی اپنے پاس نہیں رکھوں گا''۔[1]

(قصہ ۲۰) ﴿خلیفۂ وقت: عمر بن عبدالعزیزؒ﴾

بعض روایت میں ہے کہ سلیمان کی وفات کے بعد حضرت رجاء بن حیوۃؒ اس اندیشے کے تحت کہ سلیمان کی وفات کی خبر سننے کے بعد کہیں اہل خاندان سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیعت میں پس و پیش نہ کریں۔ موت کی خبر کو مخفی رکھا اور دوبارہ خاندان کے تمام افراد کو جمع کر کے ان سے امیر المومنین کے وصیت نامہ پر فرداً فرداً بیعت لی اور اس طرح بیعت کو مستحکم کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی نامزدگی کا سن کر تمام افراد نے سمعنا و اطعنا کہا لیکن ہشام بن عبدالملک نے بیعت سے انکار کر دیا۔ رجاء نے حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ہشام سے کہا کہ خوشی سے بیعت کر لو ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں گا اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں منبر پر بٹھا دیا اور پھر کسی نے چوں و چرا نہ کی۔[2]

---

۱ سیرۃ ابن عبد الحکم ص ۱۲۰ ۲ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز

(قصہ ۲۱) ﴿فرض شناسی﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بننے کے بعد گھر پہنچے تو خلافت کے بارِ گراں سے پریشان حال اور کبیدہ خاطر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بوجھ گراں آپ پر ڈال دیا گیا ہے۔ خادم نے یہ حالت دیکھی تو پوچھا: خیر ہے آپ اس قدر فکر مند کیوں ہیں؟

آپؒ نے فرمایا: اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا حق مجھ پر نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔[1]

(قصہ ۲۲) ﴿خلافت سے مستعفی ہونے کا عزم﴾

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ میں جب زیادہ اضطراب پیدا ہوا تو آپ غور و فکر کے بعد اس سے دست برداری کے لیے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے فرمایا:

"لوگو! میری خواہش اور عوام الناس کی رائے لیے بغیر مجھ پر خلافت کی گراں بار ذمہ داری ڈال دی گئی ہے، اس لیے میری بیعت کا جو طوق آپ حضرات کی گردن پر ہے میں اسے خود اتار دیتا ہوں، جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

آپؒ نے یہ کلمات کہے ہی تھے کہ لوگوں نے شور بلند کر دیا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر امورِ خلافت کو انجام دیں۔ جب آپ کو اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا کہ کسی شخص کو آپ کی خلافت سے کوئی اختلاف نہیں اور ہر شخص میری خلافت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو آپ نے اس بارِ گراں کو قبول فرما لیا۔

اور پھر مسلمانوں کے سامنے خطاب فرمایا جس میں انہیں تقویٰ اور یومِ آخرت کے

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ، لابن عبدالحکم (ص ۱۲۶)

بیعت لے کر وہ دمشق کے ارادے سے بڑھے۔ راستے میں اسے سلیمان کی وصیت اور سیدنا عمر ابن عبدالعزیزؒ کی بیعت کا حال معلوم ہو گیا۔ یہ سن کر وہ سیدنا عمر ثانیؒ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؒ کو اس کے بیعت لینے کی خبر ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس سے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنی بیعت لے کر دمشق میں داخل ہونا چاہتے تھے۔

عبدالعزیز نے کہا: مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ سلیمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ خزانہ نہ لوٹ لیں۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم بار خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے کوئی جھگڑا نہ کرتا اور خلافت کے بار دوش سے سبکدوش ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتا۔ عبدالعزیز نے کہا: "خدا گواہ ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں دوسرے کا خلیفہ ہونا پسند نہیں کرتا"۔ چنانچہ اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔[1]

(قصہ ۴۴) ❁ تقاضۂ عدل میں برادری کو خاطر میں نہ لانا ❁

اس سلسلے کی اگلی کڑی یہ ہوئی کہ حضرت عمرؒ نے اپنے خاندان کے افراد کو جمع کیا اور فرمایا: "اے مروان! تم کو شرف و دولت کا ایک بہت بڑا حصہ ملا ہے اور میرے خیال میں امت کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضے میں ہے"۔

یہ دراصل آپ نے ان لوگوں کو اشارہ بتایا تھا کہ تم غصب شدہ اموال اور جاگیریں واپس کر دو۔ وہ لوگ آپ کے اس اشارے کو سمجھ گئے اور کہا خدا کی قسم! جب تک ہمارے سر جسموں سے جدا نہ ہو جائیں اس وقت تک ہم یہ اموال اور جاگیریں واپس نہیں کریں گے خدا کی قسم! ہم نہ اپنے آباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں اور نہ اپنی اولادوں کو فقیر و مفلس۔

(سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے سے پہلے فرمانرواؤں کے افعال کو ناجائز سمجھتے تھے)

آپ نے ان کو یہ جواب سن کر فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر تم اس معاملہ میں میری مدد نہیں کرو گے تو میں تم لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر دوں گا میرے پاس سے چلے جاؤ۔"[2]

۱؎ سیرۃ ابن جوزی ۲؎ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز

(قصہ ۲۵) ﴿پانچویں خلیفہ راشدؒ﴾

سیدنا عمرؒ تیزی کے ساتھ ہر طرح باطل اور غرور و نخوت کے آثار مٹاتے جا رہے تھے۔ آپ نے سب سے پہلے اپنا شاہانہ لباس تبدیل کر کے عام سادہ سا لباس زیب تن کیا اور خوشبو وغیرہ ڈالی اور آٹھ درہم کی قیمت کی چادر اوڑھ لی۔ پھر حکم فرمایا کہ میرے پاس جو جو اس قسم کی چیزیں ہیں ان سب کو اور سواریوں اور کپڑوں کو اور عطر وغیرہ کو فروخت کر دیا جائے چنانچہ یہ سب اشیاء ۲۳ یا ۲۴ ہزار اشرفیوں میں فروخت ہوگئیں اور وہ سارا روپیہ بیت المال میں جمع کرا دیا گیا۔ گویا اصلاح کا عمل اپنی ذات سے شروع فرمایا۔

پھر خلافت کی سرکاری سواریوں کو لایا گیا گھوڑے زین کسے ہوئے قطار در قطار کھڑے تھے اور ان پر سوار تلواریں سونتے ہوئے تھے۔ قناتیں تنی ہوئیں اور خیمے لگے ہوئے تھے ان سب کے آگے کا قطار کا افسر چل رہا تھا۔ سیدنا عمرؒ نے اس سے کہا مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، میں نے تم سب کو سبکدوش کر دیا پھر آپ اپنے خچر کو تلاش کرتے ہوئے قطار میں گھس گئے اور اسے پکڑ کر اس پر سوار ہو گئے بہت سے پہرے داروں سپاہیوں کو فارغ کر دیا جن کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔

پھر ان قناتوں اور فرشوں کو ٹھوکر مار کر اپنے راستے سے ہٹا دیا پھر اپنے غلام مزاحم کو بلا کر فرمایا "یہ خیمے گھوڑے اور قناتیں وغیرہ اور گھوڑا اور اس کا سامان بیت المال میں جمع کر دو۔"[1]

(قصہ ۲۶) ﴿عظیم گھرانہ﴾

جب حضرت عمر رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو گھر میں غربت چھائی ہوئی تھی۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک نے درخواست کی کہ ان کا اور ان کے بچوں کا روزانہ وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا بیت المال میں گنجائش نہیں۔ وہ بولیں آپ بھی تو اس خلافت سے پہلے دوسروں سے گزر بسر کیا کرتے تھے۔ فرمایا جب تو وہ مال میرے لیے حلال اور طیب تھا، اس کا مال اور

---

[1] سیرت ابن جوزی ص ۴۸

گناہ نہیں پہنچتا جنہوں نے اس کو جائز طریقے سے حاصل کیا لیکن خلیفہ ہونے کے بعد میں ایسا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح حضرت عمرؒ اطمینان دلاتے رہے یہ شخص گرو کی اس تقویٰ اور پرہیزگاری کے سامنے کچھ بول نہیں سکا۔ لیکن جب آپ نے ان سے اس بیش بہا تحفے کو بیت المال میں داخل کرنے کا کہا جو ان کے باپ عبدالعزیز سے ورثہ میں ملا تو انہوں نے فوراً وہ تحفہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

(قصہ ۲۷) ﴿عشقِ رسول اکرم ﷺ﴾

آپ کے زمانے میں رباح نے حضرت عمرؒ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے آپ کو ایک کھیت فروخت کیا تھا۔ پھر اس میں کان نکل آئی۔ مقدمہ میں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو کھیت فروخت کیا تھا کان نہیں فروخت کی تھی اور انہوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی ایک تحریر دکھائی۔

حضرت عمرؒ نے جب کہ وہ تحریر پڑھی اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور اپنے چہرے سے ملا اس کی آمدنی اور خرچ کا اندازہ کیا۔ پھر آپ نے خرچ منہا کر کے باقی رقم انہیں دے دی۔[1]

محمدؐ ہیں متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارے
پدر مادر برادر مال جاں اولاد سے پیارے

(قصہ ۲۸) ﴿پھوپھی سے ایمان افروز گفتگو﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کے آفتاب سے اموی امراء کی ظلم و ستم کی شب تاریک کی ظلمت دور ہونے لگی تو انہوں نے آپ کے خلاف سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ جب انہیں دوسرے راستوں سے کامیابی نظر نہ آئی تو انہوں نے سب سے پہلی سازش یہ کی کہ ان کی پھوپھی فاطمہ کو ان کے خلاف مشتعل کیا اور اس کے کان بھرے۔

---

۱ سیرۃ ابن جوزی ۲ فتوح البلدان ۲۲

فاطمہ بنت مروان ایک بلند پایہ اور خوددار خاتون تھیں۔ جب سب امراء نے یک زبان ہو کے حضرت عمرؒ کے خلاف ان کے کان بھرے تو انھوں نے حضرت عمرؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں ایک بہت اہم کام کے سلسلہ میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ یہ پیغام بھیج کر فاطمہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کے پاس پہنچیں۔ دربان ان کو اندر لے آیا۔ یہاں تک کہ آپ حضرت عمرؒ کے خیمہ تک پہنچ گئیں۔ حضرت عمرؒ نے مزاح کے طور پر پوچھا کیا آپ نے دروازے سے باہر سواریاں نہیں دیکھیں؟ فاطمہ بنت مروان نہایت خوددار اور سنجیدہ خاتون تھیں انھیں مزاح اور دل لگی سے کوئی تعلق نہ تھا انھوں نے جواب دیا کیوں نہیں، دیکھے ہیں اور یہ دربانوں کے پاس بھی دیکھے ہیں جو گھر سے باہر تھے۔ آپ نے دیکھا کہ پھوپھی کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہیں۔ لہٰذا آپ نے مزید کوئی بات نہ کی اور ان کے تشریف لانے کا مقصد پوچھا۔ فاطمہ بنت مروان نے اپنے آنے کا سبب بتایا۔ آپ نے جواب میں عرض کیا: پھوپھی صاحبہ! سرکار دو عالم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لوگوں کو ایک آباد گھاٹ پر چھوڑ کر رخصت ہوئے۔ پھر اس امت کا منتظم ایک ایسا شخص ہوا جس نے اس میں کمی نہ کی۔ پھر یکے بعد دیگرے مختلف حضرات اس امت کے منتظم ہوئے لیکن بعد میں آنے والے منتظمین نے اس میں کمی بیشی کر دی۔ بخدا! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی عطا فرمائی تو میں اس گھاٹ کو اسی حالت پر لے آؤں گا۔ آپ کی بات سن کر پھوپھی صاحبہ نے کہا، پھر تو تمھارے نزدیک ان خلفاء کو برا کہا جائے۔ آپ پھوپھی صاحبہ کی بات سمجھ گئے کہ یہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: انھیں کون برا کہتا ہے؟ ایک شخص اپنا حق حاصل کرنے کے لیے میرے پاس آتا ہے تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں اس کو اس کا حق دلاؤں۔ پھوپھی صاحبہ نے کہا آپ کے اعزا و اقرباء آپ کا شکوہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے وہ چیزیں لے لی ہیں جو پہلے خلفاء نے ان کو دی تھیں یا پہلے خلفاء نے ان سے نہیں چھینی تھیں۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا ''میں نے ان کا حق تو نہیں لیا؟'' وہ بولیں یہ درست ہے لیکن میں نے انھیں آپ کے خلاف سخت باتیں کرتے ہوئے سنا ہے اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کوئی سخت دن آپ کے پاس نہ لے آئیں۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؒ

جوش میں آ گئے اور فرمایا:

"مجھے میری رحمت دل کا ڈر ہے اور روز قیامت جیسے دن کا ڈر ہے۔ ایسے شخص جیسی میں تو یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے قیامت کے دن کی سختی سے محفوظ فرمائے"۔

حضرت عمرؒ کی یہ بات سن کر پھوپھی نے خود بھانپ لیا تو آپ نے انہیں بتایا۔ پھر آپ نے اپنی بات مزید پھوپھی صاحبہ کے ذہن میں اتارنے کے لیے ایک اشرفی اور ایک آگ کا انگارہ منگوایا۔ اس اشرفی کو انگارے پر رکھ دیا جس سے وہ اشرفی سرخ ہو کر پگھل گئی اور اس پر جو نقش تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: پھوپھی جان! کیا آپ کو اپنے اس بھتیجے پر اس جیسی اشرفی سے رحم نہیں آتا؟

یہ دیکھ کر پھوپھی صاحبہ خوش ہو گئیں اور حضرت عمرؒ کی یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ خود ہو گئیں۔ پھر آپ نے اپنی پھوپھی کی خوشی کو دیکھ کر کہا: "پھوپھی صاحبہ! بات کریں کہ کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟" وہ بولیں: "میرا یہی مقصد تبادلہ خیالات کرنے کے لیے آئی تھی لیکن تمہارا یہ انداز گفتگو دیکھ کر مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں رہی"۔

چنانچہ وہ اٹھ کر واپس چلی آئیں اور مزید کوئی بات نہ کر سکیں۔ واپسی تک ان کے ذہن میں سونے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور وہ سونے اور سونے والوں کے درمیان مقابلہ کر رہی تھیں۔ جب وہ واپس ان لوگوں کے پاس پہنچیں جنہوں نے انہیں منتخب کر کے حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا تھا تو ان کو مخاطب کر کے کہنے لگیں: "تم اپنے فرزند عبدالعزیز کا نکاح جب آل عمر میں کرتے ہو تو پھر جب ان کی اولاد وہ کچھ کرتی ہے جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا تو بے صبری کا اظہار کرتے ہو؟ عمر بن عبدالعزیز جو کچھ کر رہے ہیں یا کر رہے ہیں اس پر صبر کر کے اپنے کام کے انجام کا انتظار کرو"۔

سیرۃ ابن جوزی ۱۹۱، حلیۃ الاولیاء (۵/)

(قصہ ۴۹) ﴿فکرِ آخرت﴾

سلیمان بن عبدالملک کا ایک لڑکا آپ کے پاس آیا جس کی زمین اسی دستاویز کے ذریعے کی وجہ سے آپ نے ضبط کرلی تھی۔ اس نے کہا "امیر المؤمنین! آپ مجھے میری زمین واپس کیوں نہیں کرتے؟" آپ نے فرمایا "معاذ اللہ میں تم کو وہ زمین کیوں نہ لوٹاؤں اگر تمہارے پاس اس کی ملکیت کی کوئی دستاویز ہے؟" اس نے کہا "کیوں نہیں" اس نے دستاویز نکال کر آپ کو دی۔ حضرت عمرؒ نے دستاویز کو پڑھا اور فرمایا "اس دستاویز کی زمین کس کی ہے؟" اس نے جواب دیا "فاسق ابن حجاج کی۔" فرمایا "پھر تو مسلمان اس کے حق دار ہیں۔" اب اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے کہا "اچھا آپ مجھے میری دستاویز واپس کردیں۔" سیدنا عمرؒ نے فرمایا "میں نے یہ ملک[illegible] یہ تم سے مانگی نہیں تھی تم نے خود دی ہے لہٰذا اب میں تمہیں یہ واپس نہیں کروں گا تاکہ تم کبھی بھی یہ غلط مطالبہ نہ کرسکو۔" مختصر یہ کہ حضرت عمرؒ نے سلیمان کے اس بیٹے کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو دیگر امراء کے ساتھ کیا تھا۔ وہ آپ کے سامنے رو بھی پڑا مگر پھر بھی آپ نے انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ کا غلام مزاحم یہ سارا معاملہ دیکھ رہا تھا جب وہ چلا گیا تو مزاحم نے آپؒ سے کہا "امیر المؤمنین! آپ سلیمان کے بیٹے کے ساتھ یہ برتاؤ کررہے ہیں اور آپ کو اس کے رونے پر ترس بھی نہیں آیا۔" آپؒ نے جواب میں فرمایا:

"میں سلیمان کے اس بیٹے کے لیے اسی قدر شفقت کے جذبات رکھتا ہوں جس قدر اپنی اولاد کے لیے رکھتا ہوں؟ لیکن کیا کروں، معاملہ دین کا ہے کل اللہ کو حساب بھی تو دینا ہے۔"[1]

---

[1] سیرۃ ابن جوزی ص(۱۱۸)

(قصہ ۳۰) ﴿حضرت عمرؒ اور بیس ہزار دینار کا تحفہ﴾

عنبسہ بن سعید بن العاص بنو امیہ کے اشراف میں سے تھا اور نہایت کثرت سے خلفاء کے پاس اس کی مجالس ہوتی تھیں۔ وہ تنا مالدار تھا کہ اسے مزید مال کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن حریص ہونے کے ناطے وہ خلفاء سے مانگتا ہی رہتا تھا پھر بھی اس کا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ "کوزۂ چشم حریصاں پر نہ شد" کی زندہ مثال تھا۔ سلیمان نے مرنے سے قبل اس کو بیس ہزار دینار بطور عطیہ دیے۔ وہ اس طرح کہ ایک تحریر لکھ کر دے دی کہ یہ رقم بیت المال سے لے لی جائے۔ عنبسہ اس تحریر سے بہت خوش ہوا لیکن قبل اس کے کہ وہ یہ رقم بیت المال سے لیتا سلیمان کا انتقال ہو گیا اور بیت المال مقفل کر دیا گیا لہٰذا یہ تحریر نئے خلیفہ کے حکم پر موقوف رکھی گئی لیکن عنبسہ کی بدقسمتی کہ نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہو گئے۔ عنبسہ ناامید تھا کیونکہ حضرت عمرؒ اس کے گہرے دوست تھے۔

ایک روز عنبسہ حضرت عمرؒ کے پاس آیا دیکھا کہ ان کے دروازے پر بنو امیہ کے لوگ کھڑے ہیں ان لوگوں نے عنبسہ کو دیکھا تو کہا کہ اس کو وہیں آنے دو اور دیکھو کہ اس کا کام بنتا ہے یا نہیں؟ عنبسہ حضرت عمرؒ کے پاس گیا اور کہا: "امیر المومنین! ہماری آپ سے رشتہ داری ہے اور آپ کی قوم آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور آپ سے التجا کر رہی ہے کہ آپ سے پہلے کے خلفاء جو کچھ انہیں دیا کرتے تھے وہ آپ بھی انہیں دیں۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: "عنبسہ! میرے مال میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں، باقی رہا سرکاری بیت المال سو اس میں تمہارا اور دوسرے تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے۔ کسی مسلمان کے عزیز اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس کا یہ حق روکا نہیں جا سکتا اگر خلافت کے کاموں میں سب لوگوں کی تم جیسی رائے ہو جائے تو یقیناً تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے"۔

امیر المومنین کا جواب سن کر عنبسہ نے کہا: "امیر المومنین! اس صورت میں آپ کی قوم آپ سے کسی اور جگہ جانے کی اجازت طلب کرتی ہے۔ حضرت عمرؒ نے جواب دیا: وہ جہاں چاہیں چلے جائیں میں نے انہیں اجازت دے دی البتہ کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

اب عتبہ نے بات تبدیل کی اور کہا: "امیر المؤمنین! سلیمان بن عبدالملک نے مجھے ایک ہدیہ دیا تھا لیکن عطیہ حاصل کرنے سے قبل سلیمان کا انتقال ہو گیا، از راہ کرم اب آپ یہ عطیہ مجھے دلوا دیں۔ میرے آپ کے ساتھ جس قدر گہرے تعلقات ہیں اس قدر سلیمان سے بھی نہ تھے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ عطیہ کتنی رقم کا ہے؟" بولا: "بیس ہزار دینار کا۔" اس قدر بھاری رقم سن کر حضرت عمرؒ نے چیخ ماری اور فرمایا: "بیس ہزار دینار تو مسلمانوں کے چار ہزار گھرانوں کے کام آ سکتے ہیں اور میں اس قدر کثیر رقم ایک شخص کو دے دوں، خدا کی قسم ایسا نہیں کروں گا۔" عتبہ نے کہا: پھر تو آپ مجھے بھی اجازت دے دیں کہ میں آپ کی قوم کے ساتھ کسی دوسری جگہ چلا جاؤں۔ فرمایا: میں نے تمہیں بھی اجازت دے دی۔ عتبہ کا بیان ہے کہ میں آخر کار آپ کے پاس سے نکل آیا۔ جب دروازے پر پہنچا تو آپ نے مجھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کیا کرو، اگر تم پر تنگی ہے تو موت کی یاد تمہاری تنگی دور کر دے گی اور اگر فراخی ہے تو اس سے وہ تنگ نظر آئے گی۔"

حضرت عمرؒ کی یہ بات سن کر مجھے ایسا لگا جیسے آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ پھر باہر آنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے مجھے پھر آواز دی۔ اب کی بار آپ نے مجھ پر ترس کھایا اور میرے تعلقات کا احترام کیا، فرمایا: "عتبہ! میرے خیال میں تم کو نہیں جانا نہیں چاہیے کیونکہ تم ایک مالدار اور متمول شخص ہو، میں سلیمان کا ترکہ فروخت کرنے والا ہوں، تم اسے خرید لو ان شاء اللہ مافات کی تلافی ہو جائے گی۔" عتبہ کہتے ہیں کہ میں آپ کی رائے کو باعث برکت سمجھتے ہوئے ٹھہر ا رہا اور میں نے ایک لاکھ میں سلیمان کا ترکہ خرید لیا پھر میں اس ترکے کو عراق لے گیا اور وہاں دو لاکھ میں فروخت کر دیا۔[1]

(قصہ ۳۱) رگِ فاروقیؓ

"روح" ولید کا بیٹا تھا جو کہ بڑا ظالم اور ستمگر تھا، لوگ اس سے خوفزدہ رہتے تھے۔ اس کے باپ ولید نے "حمص" میں جو دکانیں اس کے نام کر دی تھیں اور ان کی دستاویز بھی

۱۔ سیرۃ ابن جوزی ص۱۳۰

قلعہ کر دی تھی۔حمص والے اس بات کی شکایت لے کر حضرت عمرؒ کے پاس آئے۔ ان کی شکایت سن کر آپؒ نے "روح" سے کہا کہ ان لوگوں کی دکانیں چھوڑ دو لیکن روح کا موقف تھا کہ ولید کی دستاویزات کی رو سے یہ دکانیں میری ہیں حالانکہ اس بات کا ثبوت مل چکا تھا کہ دکانیں حمص والوں کی ہیں۔ آخرکار روح بن ولید اور اہل حمص اٹھ کر چلے گئے۔ راستہ میں روح نے اہل حمص کو ڈرایا دھمکایا۔ وہ حضرت عمرؒ کے پاس شکایت لے کر آئے۔ حضرت عمرؒ کی رگِ فاروقی پھڑکی۔ آپ نے ایک پہرے دار کعب بن حامد کو بلا کر کہا: "روح ابن ولید کے پاس جاؤ اگر وہ اہل حمص کی دکانیں واپس کر دے تو خیر ورنہ اس کا سر میرے پاس لے آؤ"۔ کعب بن حامد ننگی تلوار لے کر روح کے پیچھے گیا۔ روح نے جب جلاد کو تلوار سونتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے ذلیل و مغلوب ہو کر وہ دکانیں اہل حمص کو لوٹا دیں۔[1]

(قصہ ۳۲) ﴿امراء حضرت عمرؒ کے دروازے پر﴾

ایک دفعہ امراء حضرت عمرؒ کے دروازے پر جمع ہو گئے۔ آپ اندر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ یا تو ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلواؤ یا پھر اپنے ابا کو ہمارا یہ پیغام پہنچادو کہ "ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہمارے اوپر انعام و عطایا نچھاور کیا کرتے تھے، ہمارے مراتب و درجات کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن تمہارے ابا نے ہمیں ہر قسم کی مراعات سے محروم کر دیا"۔ عبدالملک نے اندر جا کر سیدنا عمرؒ کو لوگوں کا یہ پیغام سنا دیا۔ آپ نے فرمایا: "ان لوگوں کو جا کر کہہ دو کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عذاب سے مجھے سخت خوف آتا ہے، لہٰذا میں آپ لوگوں کو کوئی بھی ناجائز مراعات نہیں دے سکتا۔"[2]

---

[1] سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۱۰ الطبقہ الحنبل ص ۶۱، ۲۳

(۴۳) ﴿تو نکہتِ گل بن کے سبب سیر گذر جا﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عدل و انصاف کی بارش اپنے پرائے سب پر یکساں برستی تھی۔ جب آپ کے گھر والوں کو بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں بھی آپ سے کچھ شکایت ہوئی۔ چنانچہ عنبسہ بن سعد نے آپ سے شکایت کی کہ امیر المومنین! ہم لوگوں کا آپ پر حق قرابت ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے ذاتی مال میں تم لوگوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے (یعنی تمہاری ضرورت اس سے پوری نہیں ہو سکتی) اور بیت المال کے مال میں تم لوگوں کا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد (ایک جگہ کا نام) کے آخری حدود کے رہنے والے کا ہے۔ خدا کی قسم! اگر ساری دنیا تمہاری ہم نوا ہو جائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو۔[1]

طوفاں سے بھی برق سے ڈرتے نہیں رہیں گے
جینے کی تمنا میں تو مرتے ہی رہیں گے
تو نکہتِ گل بن کے سبب سیر گذر جا
پتے جھڑے ہوئے ہیں تو اڑتے ہی رہیں گے

(قصہ ۴۴) ﴿اصولِ معیشت﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ظلم و جور کے انسداد کے سلسلہ میں ایک اقدام یہ کیا کہ آپ نے تاجروں پر پابندی لگا دی تھی کہ وہ حد سے زیادہ منافع نہ لیں لیکن آپ نے اس پر کوئی سزا مقرر نہ کی اور آپ زیادہ منافع سے نفرت تو کرتے تھے لیکن سزا نہ دیتے۔ آپ نے جب اسامہ بن زید تنوخی کو مصر کا گورنر بنایا۔ تو اس نے اپنی گورنری کے زمانے میں موسیٰ ابن مروان سے بیس ہزار دینار کی مرچیں خریدیں اور اسامہ بن زید نے انہیں ایک گودام میں محفوظ کر دیا۔ اسامہ نے یہ مرچیں ولید بن عبدالملک کے لیے خریدی تھیں تاکہ انہیں ہدیہ کے طور پر شاہ روم کے پاس بھیجے لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہو گئے تو موسیٰ بن

---

[1] ایضاً ص۱۲۳ [illegible] باب (۱۹)

مروان نے ان مرغیوں کی قیمت کا مطالبہ کیا۔ موسیٰ بن مروان نے ایک روز حضرت عمرؒ سے درخواست کی کہ آپ حیان بن سریحؒ کو لکھ کر دیں کہ وہ تیس ہزار دینار مجھے دے دیں جو مرغیوں کی قیمت ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ تیس ہزار دینار کس کے ہیں؟ اس نے کہا: میرے ہیں۔ پوچھا: تمہارے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی؟ موسیٰ نے کہا: میں تاجر ہوں۔ آپ نے اسے ایک چھڑی سے ملا کر فرمایا: تاجر فاجر ہوتا ہے اور فاجر جہنمی ہے۔ پھر فرمایا کہ حیان کو لکھ دو کہ اس کی رقم دے دے۔ موسیٰ کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے بعد آپ کے پاس نہیں گیا اور آپ نے اپنے دربان کو لکھ دیا کہ وہ میرے پاس نہ آنے دے۔[1]

(قصہ ۳۵) کفایت شعاری کی تلقین

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت سے پہلے جو بیت المال کے بعض مصارف و مخارج میں جو زیادتیاں اور اسراف ہو رہا تھا آپؒ نے ان کی بھی اصلاح فرمائی اور حکومت کے کارکنوں کو یہ احساس دلایا کہ خزانہ کے ہم متولی ہیں مالک نہیں کہ اپنی مرضی سے جتنا چاہیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں روایت نقل کی ہے کہ ابوبکر ابن حزمؒ نے سلیمان بن عبدالملک سے آخری عہد خلافت میں کاغذ، قلم، دوات اور روشنائی کے دفتری اخراجات کے اضافہ کے لیے لکھا تھا۔ یہ خط ابھی بارگاہ خلافت میں پہنچا ہی تھا کہ خلیفہ سلیمان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا وہ اس بارے میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ خلیفہ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؒ مسند خلافت پر بیٹھے تو ابوبکر بن حزمؒ نے یہ مطالبہ ان کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا کہ "وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی جایا کرتے تھے اور خدا کی قسم! آج تمہاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ ان چیزوں کے اخراجات میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ تم قلم باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ اچھا اس قسم کی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو۔ میں مسلمانوں کے بیت المال سے ایسی رقم صرف کرنا ہرگز پسند نہیں کرتا جس سے ان کو فائدہ نہ پہنچے"۔[2]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ [2] طبقات ابن سعد ۵/۲۹۴۔ سیر اعلام النبلاء ۵/۱۳۲

(قصہ ۳۶) ﴿سینے سے لگا لو دیا تو یہ درد بمشکل ملتا ہے﴾

حضرت عطاءؒ حضرت عمرؒ کے انتقال کے بعد آپ کی اہلیہ کے پاس گئے اور ان سے حضرت عمرؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے اور آپ پر خلافت عامہ کی ذمہ داریوں کی بوجھ آن پڑی تو آپ بہت فکرمند ہوئے اور روتے تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ میں ایک رات آپ کے پاس گئی۔ آپ اپنے مصلیٰ پر تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ میں نے پوچھا کیا کوئی نئی بات ہوئی؟ آپ نے روتے ہوئے فرمایا: "امت محمدیہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی پوری ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے لہٰذا میں بھوکے فقیروں، بے سہارا مریضوں، مجاہدین، مظلوم اور ستم رسیدہ افراد، غریب الدیار قیدیوں، بوڑھے اور ضعیف و ناتواں افراد اور ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کثرت اہل و عیال والے ہیں لیکن نادار ہیں اور مختلف علاقوں میں بسنے والے اسی قسم کے دوسرے افراد کے بارے میں فکرمند تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ عنقریب قیامت کے روز مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اللہ کے حضور میرے مقابلے میں ان لوگوں کے وکیل محمد ﷺ ہوں گے۔

"فعلمت ان ربی سیسألنی عنھم یوم القیامۃ وان خصمی دونھم محمد ﷺ"

"مجھے ڈر لگا کہ کہیں میری بات ثابت نہ ہو سکے گی تو میں اپنی جان پر ترس کھا کر رونے لگا۔"[1]

ہر طرف جس کی تجلی بن رہے غم جہاں کا اثر
سینے سے لگا لو دیا تو یہ درد بمشکل ملتا ہے

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیز لابن عبد الحکم (۱۰۱)

(قصہ ۳۷) ﴿سارے جہاں کا درد! کہ میرے جگر میں ہے!﴾

حضرت عمرؒ کے زمانے میں ایک مرتبہ بدوست قحط پڑا تو عرب کے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ انھوں نے آپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک شخص منتخب کیا۔ اس نے آپ سے کہا:

"اے امیر المومنین! ہم ایک شدید ضرورت کی وجہ سے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے جسم کی جھڑی سوکھ گئی ہے، کیونکہ اب ہڈیاں بھی میسر نہیں آتیں اور ہماری مشکل کا حل صرف بیت المال کے ذریعے ممکن ہے۔ اس مال کی حیثیت تین میں سے ایک ہو سکتی ہے یا تو خدا کے لیے ہے یا بندوں کے لیے یا پھر آپ کے لیے۔ خدا کو اس کی ضرورت نہیں۔ اگر بندگان خدا کے لیے ہے تو اسے انھیں دے دیجیے۔ اگر آپ کا ہے تو صدقہ کے طور پر ہمیں دے دیجیے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزائے خیر دے گا۔"

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی چنانچہ آپؒ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کی تمام ضروریات بیت المال سے پوری کی جائیں۔[1]

(قصہ ۳۸) ﴿ایک فقیر کا حال دریافت کرنا﴾

حضرت عمرؒ کو اس بات کی بہت فکر لاحق رہتی تھی کہ رعایا فقر و فاقہ سے نجات پا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص مدینہ طیبہ سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ فلاں مقام پر جو فقیر بیٹھا کرتے تھے ان کا کیا حال ہے؟

اس نے بتایا کہ وہ لوگ اب وہاں نہیں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہاں بیٹھنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔[2]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶۰۔

(قصہ ۳۹) ﴿قومی خزانے کی فکر﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک بیت المال میں صرف ان کے حق داروں کا حصہ تھا یہاں تک کہ خود امیر المؤمنین کا بھی اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔

چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ یمن کے ایک متقی پرہیزگار اور زاہد والے بزرگ تھے۔ آپ نے بیت المال کے سلسلہ میں ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا جو ایک خلیفہ راشد کو کرنا چاہئے تھا۔ ماجرا یہ ہوا کہ حضرت وہبؒ بیت المال کے منتظم تھے اور بیت المال کی کچھ رقم کم ہوگئی۔ آپ نے حضرت عمرؒ کو لکھا کہ بیت المال میں ایک دینار (اور دوسری روایت کے مطابق چند دینار) کم ہیں۔ حضرت عمرؒ نے ان کو جواب میں لکھا: "میں آپ کو الزام نہیں دیتا۔ مجھ سے اس مال کے بارے میں مسلمان جھگڑا کرنے والے ہیں، جتنے دینار کم ہیں براہ نوازش اتنے بیت المال میں جمع کردیں۔" چنانچہ حضرت وہب بن منبہؒ نے اتنے دینار اپنی جیب سے اس میں جمع کردیئے[۱]

(قصہ ۴۰) ﴿تربیت اولاد کا انوکھا واقعہ﴾

ایک مرتبہ حضرت عمرؒ کے بیٹے نے آپ سے درخواست کی کہ بیت المال میں سے مجھے میری شادی کا خرچہ دے دیا جائے۔ آپ سے قبل خلفاء کے بیٹے اپنی شادی کا خرچہ بیت المال ہی سے کرتے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے کی اس عرض داشت کو مسترد کردیا حالانکہ آپ کی واضح ہدایات تھیں کہ بیت المال سے نادار اور قلاش لوگوں کی شادیاں کروا دی جائیں۔ آپ کا وہ بیٹا نادار بھی تھا اور قلاش بھی۔ اگرچہ وہ خلیفہ کا بیٹا تھا لیکن خلیفہ خود نادار تھے۔ آپ نے بیٹے کے نادار ہونے کے باوجود اس کی درخواست مسترد کردی کیونکہ اس کی ایک بیوی پہلے سے موجود تھی۔ حضرت عمرؒ نے نہ صرف اس کی درخواست کو مسترد کیا بلکہ ناراض ہوکر یہ لکھا:

۱۔ سیرۃ ابن جوزی ص ۸۱

"تمہارا خط موصول ہوا، اس میں مرقوم ہے کہ میں مسلمانوں کے مال سے سو کتوں کو جمع کر دوں حالانکہ مہاجرین کے بیٹوں میں سے کسی کے پاس ایک بیوی بھی نہیں کہ وہ اس کے ذریعہ عفیف اور پاک دامن رہے۔ خبردار! آئندہ مجھے اس قسم کی کوئی درخواست نہ کرنا۔ گھر کے برتن اور دوسرا سامان فروخت کر کے شادی کرلو"۔

ایک طرف تو حضرت عمرؒ نے اپنے بیٹے کو یہ لکھا اور دوسری طرف کوفہ کے گورنر کو یہ لکھا کہ تم نے لکھا ہے کہ فوجیوں کو مدد دینے کے بعد تمہارے پاس بیت المال میں رقم بچ گئی ہے، لہٰذا یہ بچی ہوئی رقم اسے دے دو جس پر واجبی قرض ہے یا پھر اس کو دے دو جس نے نکاح کر لیا ہو مگر اس کے پاس گھر کے اخراجات چلانے کے لیے نقد روپیہ ہو۔[1]

(قصہ ۴۱) ﴿سرکاری مال ذاتی استعمال میں لانے سے اجتناب﴾

حضرت عمرؒ ایسے خلیفہ تھے کہ جنہوں نے اپنے خواص کو بھی یہ اختیار نہ دیا تھا کہ وہ سرکاری مال یا غلام یا جانور کو اپنی ذات کے لیے استعمال کریں۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک غلام نے ایک شخص کو سرکاری گھوڑے پر آپ کی اجازت کے بغیر سوار کر دیا۔ پہلے خلفاء کے لیے یہ ایک معمولی بات تھی اور اکثر وہ سرکاری سواریوں اور غلاموں کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرتے لیکن حضرت عمرؒ نے اس کو بلا کر فرمایا:

"جب تک اس کا کرایہ بیت المال میں جمع نہیں کرائے گا تو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا"۔

چنانچہ اس نے اس کا کرایہ بیت المال میں جمع کرا دیا۔[2]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۵۸

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ۱۵۸

(قصہ ۴۲) ﴿ادائیگی زکوٰۃ میں تاخیر نہ کی جائے﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم کے مطابق زکوٰۃ کے منتظمین کو زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرنے میں تاخیر کرنے کی ممانعت تھی۔ اور اگر وہ تاخیر کرتے تو ان سے اس بارے میں باز پرس ہوتی۔ چنانچہ وہ زکوٰۃ تقسیم کرنے میں کوئی تاخیر نہ برتتے۔ عیدالفطر کے موقع پر ایک شخص بہت سی زکوٰۃ کی رقم لایا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مشورے کے لیے اس نے اس کو روکے رکھا اور تقسیم نہ کیا۔ حضرت عمرؒ نے لکھا:

"مجھ الو لوگوں نے مجھے اور تمہیں اپنے خیرات اور گمانوں کے مطابق نہیں پایا۔ آج تک تم نے اس زکوٰۃ کی رقم کو کیوں روکے رکھا؟ میرا یہ خط وصول ہوتے ہی فوراً اس رقم کو مستحق لوگوں میں تقسیم کر دو"۔[1]

(قصہ ۴۳) ﴿"ذمی" کو حق مل گیا.....﴾

حضرت عمرؒ نے جب شاہی خاندان سے غصب شدہ املاک چھین کر انہیں اصل مالکوں کو واپس کیا تو اس وقت ذمیوں کی مغصوبہ زمینیں بھی واپس لائیں۔ اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید۔ جو شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس نے میری زمینوں پر غاصبانہ قبضہ کرایا ہے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے عباس سے جواب دعویٰ کے لیے کہا۔ اس نے کہا یہ زمین ولید نے مجھے جاگیر دی ہے اور میرے پاس اس کی دستاویز موجود ہے۔

ذمی نے اپنے دعوے کا یہ جواب پیش کیا۔

"امیرالمومنین! میں آپ سے کتاب اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں"۔

آپ نے فرمایا: "کتاب اللہ ولید کی سند پر مقدم ہے"۔ چنانچہ آپ نے عباس بن ولید سے زمین چھین کر ذمی کو واپس لوٹا دی۔[2]

---

[1] سیرۃ ابن جوزیؒ ۸۵ [2] ایضاً (۱۰۳) البدایہ والنہایہ (۲۱۳/۸)

کیا مقام ہے اگر میں امیر المومنین کے سامنے عراق کی گورنری کے لیے آپ کا نام پیش کر دوں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ بلال نے کہا: میں اس کے بدلے میں آپ کو ایک سال کی تنخواہ دے دوں گا جو کہ دس ہزار تھی ہے۔ علاء نے کہا: آپ مجھے یہ تحریر لکھ دیں۔ حریص تو یہ تھا ہی اس لئے جلدی سے گھر گیا اور ایک تحریر لکھ کر علاء کو دے دی۔ علاء حضرت عمرؒ کے پاس یہ تحریر لے آئے۔ جب امیر المومنین نے یہ تحریر دیکھی تو آپ نے کوفہ کے گورنر کو لکھ دیا کہ بلال نے اللہ تعالیٰ کے نام پر ہمیں دھوکہ دیا ہے اور قریب تھا کہ ہم اس کے فریب میں آ جاتے لیکن جب ہم نے اسے پگھلا کر دیکھا تو اس میں سراسر کھوٹ بھرا ہوا تھا۔[1]

(قصہ ۵۱) ﴿ایک شخص کی باطنی حالت کی تحقیق﴾

ایک مرتبہ خراسان کا رہنے والا ایک شخص حضرت عمرؒ کے پاس آیا اور آپؒ سے کہا: امیر المومنین! میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے: جب بنی امیہ کا اشج برسر اقتدار آئے گا تو زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم سے بھری ہوئی ہے۔ چنانچہ ولید بن عبد الملک برسر اقتدار آیا تو میں نے اس کے بارے میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہ اشج (زخمی) نہیں ہے پھر سلیمان بن عبد الملک مسند خلافت پر بیٹھا تو اس کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ بھی اشج نہیں ہے پھر زمام خلافت آپ کے ہاتھ میں آئی تو پتہ چلا کہ آپ اشج ہیں۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تو قرآن پڑھا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ فرمایا: تجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے تجھے قرآن کی نعمت بخشی ہے کیا واقعی تم نے یہ خواب دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ آپؒ نے اس کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرا لیا۔ یہ وہ مہینے ٹھہرا رہا۔

ایک روز حضرت عمرؒ نے اسے بلا کر فرمایا: جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں روکا؟ بولا: نہیں۔ فرمایا: ہم نے آدمی بھیج کر تمہارے بارے میں پوری پوری تحقیقات کروائی ہیں تو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ

ہمیں پتہ چلا کہ تمہارے بارے میں دوست اور دشمن سب کی ایک ہی رائے ہے۔ وہ شخص حضرت عمرؒ کی بات سمجھ گیا اور اپنے شہر واپس چلا گیا۔[1]

(قصہ ۵۲) ﴿"قضاۃ" کے لئے سنہری اصول﴾

ایک روایت میں ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے عنبر کا ایک ٹکڑا لایا گیا۔ ایک شخص اس بات کا منتظر تھا کہ عنبر کا یہ ٹکڑا حضرت عمرؒ کے سامنے پیش ہو اور میں اس سے رقم وصول کروں۔ ہوا یہ کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد حضرت عمرؒ کے سامنے عنبر کا ایک بہت بڑا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا امیر المومنین! یہ عنبر کا ٹکڑا میرا ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: یہ قصہ کیا ہے؟ بولا میں نے یہ عنبر سلیمان کو سات ہزار میں فروخت کیا تھا جبکہ اس کی اصل قیمت اٹھارہ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عمرؒ نے کہا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ کیا انہوں نے تجھے ڈرایا تھا؟ اس نے کہا: نہیں بالکل نہیں۔ فرمایا: کیا انہوں نے تجھ پر جبر کیا تھا یا یہ عنبر تجھ سے زبردستی چھینا تھا؟ بولا: بالکل نہیں۔ پوچھا: پھر کیا بات ہے؟ بولا: امیر المومنین! یہ میرا عنبر ہے۔ حضرت عمرؒ نے حکم دیا کہ تحقیق حال کے لئے مقدمہ کی تاریخ ڈال دی جائے۔ کیونکہ اس عنبر میں اس شخص کا حصہ معلوم نہیں ہو سکا۔[2]

(قصہ ۵۳) ﴿خلیفۂ وقت عدالت کے کٹہرے میں﴾

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کا نظریہ یہ تھا کہ اس وقت تک عدالت کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ قاضی ایک ناقابل تسخیر قوت اور نہ ٹوٹنے والے عہدہ کا مالک نہ ہو۔ اور یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ قاضی کا فیصلہ ہر ایک پر نافذ ہو حتیٰ کہ امام اور خلیفہ پر بھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ حلوان کا ایک مصری حضرت عمرؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ آپ کے والد عبدالعزیزؒ نے مصر کی گورنری کے زمانہ میں میری جائیداد غصب کرلی تھی۔ اس نے حضرت عمرؒ کو ڈانٹا بھی۔ حضرت عمرؒ اس کی باتوں سے نرم بھی ہوگئے اور غضبناک بھی۔ اور اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ

۱؎ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۹۶ ۲؎ ایضاً

کر سکے۔ آپ نے اس حلوانی کو سمجھ لیا کہ مجھ سے شریفانہ طور پر جھگڑو اور میری ذاتیات پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اس جائیداد میں میرے ساتھ میرے بہن بھائی بھی شریک ہیں اگر میں صرف تیرے کہنے پر تجھے یہ جائیداد واپس لوٹا دوں تو میرے بہن بھائی کیا کہیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تو قاضی کے پاس اپنا مقدمہ لے جا۔ چنانچہ اس نے قاضی کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے دونوں کے بیانات سن کر مصری کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حضرت عمرؒ نے قاضی سے کہا کہ ہم نے جائیداد پر دو لاکھ درہم خرچ کیے ہیں۔ قاضی نے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ بقدر خرچ اس جائیداد سے آمدنی بھی ہوئی ہے چنانچہ قاضی نے جائیداد واپس کر دی۔ حضرت عمرؒ نے قاضی کے فیصلہ کی تحسین فرمائی اور خود کھڑے ہو کر زمین کی ملکیت کی دستاویز مصری کو دے دی۔[1]

(قصہ ۵۵) زہر دینے والے غلام پر احسان

اموی امراء نے حضرت عمرؒ کو راستے سے ہٹانے کی ٹھان لی تھی۔ اور انہوں نے اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ کو اس بات کا علم ہو گیا لیکن آپ نے غلام پر کوئی سختی نہ کی صرف اس سے ایک ہزار دینار واپس لے کر ان کو بیت المال میں داخل کر دیا اور غلام کو آزاد کر دیا۔

طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے بھی زہر کی تشخیص دی لیکن آپ نے علاج کروانے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ غلام کا راز فاش نہ ہو اور کوئی اس پر سختی نہ کرے اور فرمایا: اگر مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی لو کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں اس کے لیے ہاتھ نہ بڑھاتا۔[2]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۶۷، البدایہ والنہایہ جلد ۹ ص ۲۱۰

[2] البدایہ والنہایہ ۹/۲۰۸، تاریخ الخلفاء ۲۳۷

(قصہ ۵۵) ﴿میری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے﴾

حضرت عمرؒ کی وفات ایک ولی اللہ کی دعا سے ہوئی۔ عبداللہ بن زکریاؒ اس زمانہ کے بڑے اولیاء میں سے تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے آدمی بھیج کر ان کو بلایا اور ان سے کہا: جانتے ہو کہ میں نے آپ کو کیوں بلوایا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ فرمایا! ایک نہایت ضروری کام کے لیے بلوایا ہے لیکن وہ بتاؤں گا اس وقت جب آپ قسم کھائیں کہ وہ کام ضرور کریں گے۔ عبداللہ بن زکریاؒ نے کہا آپ کام بتائیں میں ضرور تعمیل کروں گا۔ فرمایا: پہلے قسم کھاؤ۔ انہوں نے قسم کھائی۔ فرمایا: اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اپنے پاس بلا لے۔ عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا کہ تب تو میں مسلمانوں میں سے بدترین شخص آپ کے پاس آیا ہوں اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا بدترین دشمن ہوں۔ حضرت عمرؒ نے کہا آپ نے قسم کھائی ہے۔ آخرکار عبداللہ نے اپنی قسم پوری کرتے ہوئے آپ کی موت کی دعا مانگی لیکن دعا مانگتے ہوئے بہت ہچکچاتے اور بادل نخواستہ ان الفاظ میں دعا مانگی: ''اے اللہ! آپ کے بعد مجھے بھی زندہ نہ رکھ''۔ جب عبداللہ یہ دعا مانگ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؒ کا ایک چھوٹا بچہ آ گیا۔ آپ نے عبداللہ سے کہا کہ اس کے لیے بھی دعا مانگیں کیونکہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ عبداللہ نے اس بچہ کے لیے بھی دعا مانگی۔ پھر یوں ہوا کہ حضرت عمرؒ کے انتقال کے بعد حضرت عبداللہ رحمہ اللہ بھی جلد ہی انتقال فرما گئے۔ پھر وہ بچہ بھی فوت ہو گیا۔[1]

ثنا و خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

(قصہ ۵۶) ﴿مرض وفات کا ایمان افروز واقعہ﴾

سبب طبعی ہو یا زہر خورانی آپ کو جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو اپنے بعد نامزد شدہ خلیفہ یزید بن عبدالملک کے لیے مندرجہ ذیل وصیت نامہ لکھوایا:

''میں تمہارے لیے یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھوا رہا ہوں کہ میں بیماری سے

---

[1] سیرۃ ابن عبدالحکم ص ۱۲۶

نہایت لاغر ہو گیا ہوں میرے قوی مضمحل ہو گئے ہیں تم کو معلوم ہے کہ قیامت کے روز امور خلافت کے بارے میں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کا حساب لے گا اور میں اس سے اپنا کوئی عمل نقل چھپا نہ سکوں گا کیونکہ حق تعالیٰ شانہ خود ہی فرمایا ہے:

فلنقص علیھم بعلم وما کنا غائبین!

"ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں اور ہم غائب نہ تھے"

اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو گیا، تو میں کامیاب و کامران ہوا، اور میں نے ایک طویل عذاب سے نجات پائی اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہوا تو میرے انجام پر بڑا افسوس کیا جائے وہ کم ہے میں اس اللہ تعالیٰ سے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، نہایت عجز و نیاز سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رحمت سے عذاب جہنم سے نجات عطا فرمائے اور اپنی رضا سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔

میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرنا اور رعیت کا خیال رکھنا کیونکہ میرے بعد تم صرف تھوڑے دن زندہ رہو گے۔ تمہیں اس بات سے بھی سخت احتراز کرنا چاہئے کہ تم سے غفلت اور جہالت میں ایسی لغزش سرزد ہو جس کی تم تلافی نہ کر سکو۔ سلیمان بن عبدالملک اللہ کا بندہ تھا، اللہ سبحانہ نے اسے وفات دی اور اس کے بعد مجھے خلیفہ بنایا اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا۔ میں جس حالت میں تھا اگر وہ اس لیے ہوئی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت اکٹھا کروں تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے بہتر سامان مہیا کیے تھے جو وہ کسی بندہ کو مہیا کر سکتا ہے لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں سوائے اس کے اللہ تعالیٰ میری دستگیری فرمائے۔"!

مسلمہ بھی آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے آپ کے اہل و عیال کے بارے میں آپ سے کہا: امیر المومنین! آپ نے اپنی اولاد کا اس مال و دولت سے ہمیشہ منہ خشک رکھا ہے اور آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس دنیا کے مال و متاع کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ آپ ان کے بارے میں مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ

! سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی ص ۲۹۰

وصیت فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر فرمایا: "مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو"۔ چنانچہ انہوں نے بٹھا دیا، پھر فرمایا: تمہارا یہ کہنا کہ اس مال میں سے میں نے تم کو شاہی اولاد سے الگ رکھا ہے، خدا کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق تم سے نہیں چھینا، البتہ جو ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا، رہا تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی اور فرد کو وصیت کر جاؤں تو سنو! اس معاملے میں میرا وصی اور ولی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو صالحین کا والی ہوتا ہے، میرے بیٹے اگر تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ نکال دے گا اور اگر وہ گناہوں میں مبتلا ہوں گے تو میں ان کو گناہ کے لئے قوی اور طاقتور نہ بناؤں گا۔ اس کے بعد صاحبزادوں کو بلا کر دیکھا اور اشکبار آنکھوں سے فرمایا:

"میری جان! ان پر قربان! جن کو میں نے فقیر چھوڑا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا ہے۔ میرے بیٹو! تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملو گے جس پر تمہارا حق نہ ہو۔ میرے پیارو! دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی، ایک یہ کہ تم متمول اور دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جائے۔ دوسرے یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو جائے۔ ان دونوں باتوں میں سے اس کو زیادہ پسند تھی کہ تم محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے۔ اچھا اب جاؤ! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"[1]

(قصہ ۵۵) ﴿فلک شبنم افشانی کرے تیری تربت پر﴾

حضرت عمر رحمہ اللہ نے موت کے بالکل قریب ہونے سے پہلے ایک ذمی سے قبر کے لیے زمین خریدی۔ اس نے قیمت لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میرے لیے یہ بڑی سعادت اور خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری زمین میں دفن ہوں لیکن آپ نے اس کے اس عذر کو قبول نہ کیا اور نہایت اصرار کے ساتھ اس سے زمین کی قیمت ادا کی۔ پھر تجہیز و تکفین اور دفن کے بارے میں کچھ ضروری وصیتیں کیں اور رسول اللہ ﷺ کے ناخن اور موئے

۱۔ البدایہ والنہایہ جلد ۹ [illegible]

مبارک جو ایک مسلمان کا نہایت قیمتی سرمایہ ہیں انہیں اپنے کفن میں رکھنے کی ہدایت اور وصیت فرمائی۔ جب روح کے قفس عنصری سے نکلنے کا وقت آیا۔ تو اس وقت زبان پر یہ آیت تھی۔

تلک الدار الاٰخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین[1]

"یعنی یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں تو برتری چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور انجام کار متقیوں کے لئے ہے"

اسی آیت کی تلاوت کرتے کرتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ جب آپ کی بیماری زور پکڑ گئی اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو گرجا کا پادری آپ کے پاس ہدیہ کے طور پر گرجے کے درختوں کے تازے پھل لایا حضرت عمرؒ نے یہ پھل نہایت خوشی اور مسرت سے قبول کر لیے اور حکم فرمایا کہ پادری کو اس کی قیمت ادا کر دی جائے لیکن پادری نے ان پھلوں کی قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس کو سمجھا بجھا کر قیمت لینے پر راضی کر لیا چنانچہ اس نے قیمت لے لی۔ پھر سیدنا عمرؒ نے اس پادری سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے میں اس بیماری سے صحت یاب ہونے والا نہیں۔ آپ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر پادری کو سخت صدمہ ہوا اور اس کے دل میں رقت پیدا ہوئی جس سے وہ رونے لگا۔ پھر سیدنا عمرؒ نے اس سے فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ اس گرجا کے ساتھ جو ملحقہ زمین ہے وہ تمہاری ملکیت ہے۔ اس زمین میں سے تم مجھے ایک سال کے لیے میری قبر کے لیے جگہ دے دو جب ایک سال گزر جائے تو تمہیں اس زمین پر ہل چلانے کا اختیار ہے۔ مختصر یہ کہ اس پادری سے ایک قبر کی جگہ کا سودا ہو گیا اور اس کی قیمت ادا کر دی گئی۔ قبر کی قیمت میں اختلاف ہے۔ کتابوں میں دو دینار سے لے کر چالیس دینار تک آیا ہے۔[2]

---

[1] القصص: ۸۳

[2] العقد الفرید جلد ۳ ص ۲۷۲، الاکتفاء: عوالی ص ۱۱۹

(قصہ ۵۸) ﴿آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو﴾

حضرت عمرؒ اس حجرہ میں دفن کیے گئے جو انہوں نے خریدی تھی۔ آپ کی قبر پر مسلمہ بن عبدالملک نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ بخدا! آپ کی حیات میں معیشت تنگی اور بردباری بنی رہی حتیٰ کہ آپ نے یہ قبر دیکھی۔ آپ کے دفن پر ایک سال گذر گیا اور امیرالمومنین کے قول کے مطابق پادری کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ آپ کی قبر کو برابر کر کے اس زمین پر کاشت شروع کر دے لیکن اس نے آپ کی قبر کو زمین کے ساتھ برابر نہ کیا بلکہ اس کی حفاظت کی اور اس کے ساتھ خوشبودار پودا لگا لیا۔ آپ کی قبر کی زیارت کے لیے آتے رہیں اور آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں اور آپ کی خاک قبر کو اپنے آنسوؤں سے بھگوتے رہیں۔ چنانچہ لوگ اکثر آپ کی قبر کی زیارت پر فریفتہ تھے۔ ہشام بن اعقاد بیان کرتے ہیں کہ ہم عراق سے واپس آتے ہوئے ایک منزل پر ٹھہرے۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو ملکوں نہیں جانتے خیر ہم سے غائب ہو گئے۔ جب ہم بہت دور نکل گئے تو ہم نے انہیں آتے دیکھا۔ ہم نے پوچھا کہاں گئے تھے۔ جواب دیا عمر بن عبدالعزیزؒ کی قبر پر گیا تھا وہ یہاں سے پانچ میل دور ہے اور آپ کے لیے دعا کر کے آیا ہوں۔ پھر فرمایا کہ میں قسم کھاؤں تو بھی قسم میں حانث نہیں ہوں گا کہ آپ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے اور دنیا میں ان سے زیادہ اور کوئی پارسا نہ تھا۔[1]

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

(قصہ ۵۹) ﴿تربیت اولاد کا ثمرہ﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارہ (۱۲) بیٹے تھے لیکن ان میں عبدالملک سب سے زیادہ دیندار اور نیک سیرت تھے۔ سیدنا عمرؒ بھی ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ عبدالملک اپنے والد کے دوش بدوش سرگرم عمل رہتے تھے کہ مغضوبہ زمینوں کے معاملات میں ان

1. سیرت ابن جوزی ص ۲۹

کی رائے کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؒ نے مجھے، مکحول اور قلابہ کو بلایا اور فرمایا: "تم لوگ ان اموال کے بارے میں جو لوگوں سے ظلماً چھینے گئے ہیں، کیا کہتے ہو؟" مکحول نے جو رائے پیش کی اسے حضرت عمرؒ نے پسند نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ آئندہ احتیاط برتی جائے اور سابقہ مالوں کو معاف رکھیں۔ میں نے عرض کیا: "امیر المومنین! آپ اپنے صاحبزادے عبدالملک کو بلالیں کیونکہ وہ بھی نہایت اہل ہیں اور ہم سے کم نہیں ہیں۔ وہ حدیث و فقہ پڑھ چکے ہیں اور اب ان کا شمار فقہائے مدینہ کی صف اول کے لوگوں میں ہوتا ہے۔" جب آپ آگئے تو آپ نے اس سے بھی یہی سوال کیا۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ میرے خیال میں تو آپ انہیں حقداروں کو واپس کردیں۔ اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو غاصبوں کے اس غصب میں آپ بھی شریک سمجھے جائیں گے۔[1]

﴿خلافت کی قدر و منزلت﴾ (قصہ ۲۰)

عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ نے بچپن ہی میں اپنے والد کی نصیحت اپنے نفس پر زیادہ وقعت پایا تھا حالانکہ حضرت عمرؒ خلیفہ تھے اور کمالات کی منزلیں طے کررہے تھے۔ بعض حضرات کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت عمرؒ کو غصہ آیا۔ پھر جب آپ کا غصہ ختم ہوا تو عبدالملک نے آپ سے کہا: "امیر المومنین! کیا اللہ کی رحمتوں کی اور اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا ہے اور آپ کو اپنے بندوں کا امیر بنایا ہے کچھ قدر و منزلت ہے۔۔۔؟ کہ آپ کو اتنا شدید غصہ آئے جو اس وقت میرے مشاہدے میں آیا ہے۔"

سیدنا عمرؒ نے فرمایا: "بیٹا! تم نے کیا کہا؟ ذرا پھر دہراؤ۔"

چنانچہ عبدالملکؒ نے اپنی بات دہرائی۔ حضرت عمرؒ نے فرمایا: "عبدالملک! کیا تم کو غصہ نہیں آتا؟" جواب دیا کہ "میرا پیٹ میرے کس کام آئے گا اگر میں اس میں غصہ لوٹا دوں یہی کہ ذرا سا غصہ بھی ظاہر نہ ہونے دوں۔"[2]

۱۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۲۳، ۲۲۸ ۲۔ ایضاً ص ۲۲۸

(قصہ ۲۱) عظیم باپ عظیم بیٹا

جب حضرت عمرؒ سلیمان کو دفن کر کے فارغ ہو گئے اور تمام مغصوبہ جائیدادیں بیت المال میں جمع کر دیں اور تمام خانگی سامان وغیرہ فروخت کر چکے اور لونڈیوں کو آزاد کر چکے تو تمام رات سو نہ سکے۔ پھر صبح کو ظہر تک یہی کام سر انجام دیتے رہے اور ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کرنا چاہا تو آپ کے صاحبزادے عبدالملک آپ کے پاس آئے اور پوچھا:

"امیر المؤمنین! اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا: "جان پدر! اب میں ذرا سا سو کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

پوچھا: "ابا جان! کیا آپ مغصوبہ جائیدادیں اور زمینوں کو واپس دلائے بغیر سونا چاہتے ہیں؟"

فرمایا: میرے پیارے بیٹے! کل رات میں تمہارے چچا کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں تمام رات جاگتا رہا اب میں تھوڑی دیر سونے کے بعد باقی کام انجام دوں گا کیونکہ اب مجھ پر نیند کا غلبہ ہے۔

عبدالملک نے کہا: "امیر المؤمنین! کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ سو کر اٹھیں گے؟ حالانکہ مستقبل میں ایک لمحے کے بارے میں بھی بھروسہ نہیں ہے۔"

حضرت عمرؒ نے فرمایا: "جان پدر! ذرا میرے قریب آؤ"۔ عبدالملک جب کے قریب گئے تو آپ نے انہیں گلے سے لگالیا، پیشانی، سر اور منہ کو چوما اور حق تعالیٰ شانہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اتنا نیک اور صالح بیٹا عطا فرمایا جو ان کی دین کے کاموں میں امداد و مدد کرتا ہے۔

بیٹے کی یہ بات سن کر آپ باہر گئے اور بالکل آرام نہ فرمایا اور باہر جا کر اعلان کروا دیا کہ جس کسی پر کسی کا کوئی ظلم ہوا ہو وہ امیر المؤمنین کے سامنے آ کر بیان کرے۔[1]

۱۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص [illegible]

(قصہ ۷۴) ﴿بیٹے کا والد کو آخرت یاد دلانا﴾

ایک روز حضرت عمرؒ کے صاحبزادے عبدالملکؒ اپنے والد کے پاس آئے۔ دیکھا کہ حضرت عمرؒ اپنے چچازاد بھائی مسلمہ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے والد کو تنہائی میں بلایا تاکہ کچھ کہا جا سکے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا کیا کوئی راز کی بات ہے جو تم نے مجھے تنہائی میں بلایا۔ عبدالملک نے کہا: "ہاں۔ مسلمہ کھڑے ہوگئے اور آپ اپنے والد کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ گئے اور کہا: "امیر المومنین! کل قیامت کے روز آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے جب وہ آپ سے پوچھے گا: عمر! تو نے بدعت دیکھی تھی لیکن اسے مٹانے کی کوشش نہیں کی تھی یا تو نے مردہ سنت (ترک کی ہوئی سنت) کو زندہ کرنے کی کوئی جدوجہد نہ کی تھی؟"

حضرت عمرؒ نے فرمایا: "جانِ پدر! کیا اس نصیحت پر تم کو کسی شے نے آمادہ کیا ہے یا تم یہ بات اپنے دل سے کہہ رہے ہو؟" عبدالملکؒ نے کہا: "نہیں نہیں بخدا! یہ بات میں اپنے دل سے کہہ رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ سے روز قیامت اس کے بارے میں پوچھا جائے گا، لیکن آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

سیدنا عمرؒ نے فرمایا: "لختِ جگر! اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور تم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے۔ تم نیکی اور صلاح کے لیے میرے بہترین معاون ثابت ہوگئے۔ بیٹا! یاد رکھو، تمہاری قوم نے خلافت میں بے شمار گتھیں لگا دی ہیں اور بڑی مشکلات پیدا کر دی ہیں اور ظلم کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم بنا دی ہیں اور جب میں ان کے مغصوبہ اموال اور جبراً قبضہ کی ہوئی جائیدادوں کی واپسی کے بارے میں جھگڑتا ہوں تو مجھے ایسی پھوٹ اور تفرقہ پڑ جانے کا خدشہ لگا رہتا ہے جس سے خون خرابے کی نوبت آ جائے، بخدا! میرے نزدیک دنیا کا فنا ہو جانا آسان ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا ایک قطرہ خون بھی نکلے۔

کیا تو اس پر راضی نہیں کہ کبھی تیرے باپ کو وہ مبارک دن دیکھنا نصیب ہوگا جس روز

وہ بدعت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے گا اور تمام دنیا کو سنت کے انوار سے جگمگا دے گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ شانہ فیصلہ فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے[1]

(قصہ ۶۳) ﴿صاحبزادے کی ایمان افروز وفات﴾

سیدنا عمرؒ کا سعادت مند اور نیک و پارسا بیٹا عبدالملک جب اپنے اردگرد غیر شرعی ماحول دیکھتا اور اہل اقتدار کے مظالم کا مشاہدہ کرتا تو اندر ہی اندر کڑھتا رہتا۔ اس کی یہ کڑھن اس کو دبلا کرتی رہتی تھی کہ وہ انتہائی لاغر اور کمزور ہو کر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر صرف ۱۹ سال تھی جب کہ عام بچے اس عمر میں لہو ولعب کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنی اس بیماری میں بھی خوش تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنے اس بیٹے سے بے حد محبت تھی وہ اس کی عیادت کے لیے جاتے اور پوچھتے: بیٹا! تمہارا کیا حال ہے؟ عبدالملک اس خیال سے کہ میرے باپ کو صدمہ نہ ہو اپنا حال چھپاتے اور کہتے الحمدللہ! میں اچھا ہوں۔ لیکن حضرت عمرؒ مرض کو بھی دیکھ رہے تھے کہ جان لیوا ہے اور مریض کو بھی دیکھ رہے تھے کہ موت کے کنارے پر پہنچا ہوا ہے اور آپ کو یہ بھی پتہ تھا کہ بیٹا اپنی موت سے خوش ہے اس لیے ایک روز انہوں نے کہا: ''بیٹا! مجھ سے اپنی طبیعت کے بارے میں صحیح صحیح بات کرو کیونکہ تمہارے بارے میں مجھے تمہاری موت ہی زیادہ پیاری ہے۔

اب عبدالملک نے کہا: ''ابا جان! میں اپنے کو موت کی آغوش میں پاتا ہوں۔ لہٰذا آپ آخرت کے اجر کے لیے صبر سے کام لیں کیونکہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کا اجر مجھ سے بہتر ہے۔ بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر باپ کا دل بیٹھ گیا۔ پھر حضرت عمرؒ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے کہ بیٹا! بخدا! میری میزان میں تمہارا ہونا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تمہاری میزان میں میں ہوں۔ اور پھر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ آپ کے غلام مزاحم نے عبدالملکؒ کی موت کی خبر دی۔

اس دردناک خبر کا سننا تھا کہ حضرت عمرؒ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[2]

---

[1] صفوۃ الصفوۃ (۲/۷۳) بحوالہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ

[2] الخلیفۃ العادل ص ۱۶۷

(قصہ ۱۴) ﴿"لختِ جگر" کی وفات پر مثالی صبر﴾

عبدالملکؒ کے فوت ہونے کے بعد حضرت عمرؒ جب ان کی تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہوئے اور قبر برابر کر چکے تو آپ کی قبر پر قبلہ رو کھڑے ہوئے اور آپ کے چاروں طرف لوگ کھڑے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا:

"بیٹا! اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے تمہاری پیدائش باعث مسرت تھی اور تمہاری ان نیکیوں سے بھرپور زندگی، مجھے یہ بھی گوارا تھا کہ میں تجھے آواز دوں اور تو میری آواز پر لبیک کہے یعنی مجھے تمہاری تھوڑی سی تکلیف بھی گوارا تھی۔ آج مجھے تم وہاں جانے کی جس جگہ تم کو اللہ تعالیٰ نے اُتار دیا ہے بہت مسرت ہو رہی ہے اور تمہارے اجر و ثواب سے جو مجھے صلہ ملنے والا ہے اس کی مجھے بہت توقع ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو درگذر فرمائے اور تمہاری نیکیوں کا تمہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دعا کرنے والے پر رحم فرمائے خواہ وہ دعا کرنے والا آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، حاضر ہو یا غائب یعنی جو بھی شخص تمہارے لیے دعا کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی ہیں اور اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہیں۔ پھر جب حضرت عمرؒ اپنے لختِ جگر کی قبر سے واپس آئے تو لوگوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قابل فخر فرزند کی وفات کا بڑا صدمہ تھا، لوگ بیٹھے اس پر افسوس کرتے رہتے تھے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے تھے۔ پھر جب آپ اپنے گھر آئے تو لوگ تعزیت کرنے کے لیے آئے۔ آپ نے ان کے سامنے صبر کی تلقین کی اور فرمایا: "جو چیز عبدالملک پر آئی اسے ہم خوب جانتے تھے اور جب وہ واقع ہوگئی تو ہمارے لیے تو یہ چیز جس کا ڈر تھا آگئی۔"[1]

(قصہ ۱۵) ﴿رزقِ حلال کی برکت کا مثالی واقعہ﴾

حضرت عمرؒ نے ساری زندگی اپنی اولاد کو مال حرام سے بچائے رکھا، وہ تھوڑا بہت جو حلال رزق ملا وہ اسے دیا، اس عمل کی برکت کا مشاہدہ درج ذیل واقعہ سے ہوتا ہے۔

---

[1] عیون الاخبار (۱۸/۳) بحوالہ سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ

خلیفہ منصور نے عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر سے ایک مرتبہ کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ وہ بولے: اپنے مشاہدات سے یا کہی سنی باتوں میں سے؟ عرض کیا اپنے مشاہدات میں سے نصیحت فرمائیے۔ بولے: عمر بن عبدالعزیز نے گیارہ بیٹے چھوڑ کر انتقال فرمایا، اور سترہ دینار چھوڑے۔ پانچ دینار تو تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے اور دو دینار کی قبر خریدی گئی۔ باقی صرف دس دینار بچے اور ہر بچے کو ایک ایک دینار بھی ورثہ میں نہ ملا۔ اور ہشام ابن عبدالملک فوت ہوئے تو ان کا ترکہ ان کی اولاد میں تقسیم ہوا۔ اور ہر ایک کو دس دس لاکھ دینار ملے۔ میں نے حضرت عمر کی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک دن میں سو گھوڑے صدقہ کیے۔ اور ہشام کی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کو صدقہ دیا کرتے تھے![۱]

(قصہ ۲۲) ﴿عدل عمر ثانی کی حیرت انگیز تاثیر﴾

(۱) حسن قصاب کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بکریوں کے دودھ کا سودا کرتا تھا۔ چنانچہ میں ایک دن ایک چرواہے کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ اس کی بکریوں کے ریوڑ میں کچھ کے قریب بھیڑیے بھی ہیں اور ان کو کچھ نہیں کہتے۔ کیونکہ میں نے پہلے بھیڑیوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے تعجب سے چرواہے سے پوچھا کہ تم (اتنے) کتوں کا کیا کرتے ہو۔ تو اس نے مجھے جواب دیا کہ اے بیٹے یہ کتے نہیں بھیڑیے ہیں۔ میں ششدر رہ گیا اور کہا۔ اللہ! عجیب ہے! بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں ہیں اور انہیں نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔ اس چرواہے نے کہا کہ جب سر ٹھیک ہو تو جسم کو کوئی تکلیف نہیں آتی (یعنی یہ امیرالمؤمنین کے عدل کی برکت ہے)۔[۲]

(۲) موسیٰ بن اعین راعی کہتے ہیں ہم محمد بن عیینہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ شیر اور بکری اور دوسرے تمام جنگلی جانور ایک ہی جگہ ہوتے اور کوئی کسی پر حملہ

[۱] سیرت ابن جوزی ص۱۹۰ [۲] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص۷۵

عون بن محمد نے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سے مل کر کہا کہ جریر سے میری عزت و آبرو بچا لیجئے۔ آپ نے جریر کو بارگاہ خلافت میں اذن باریابی دیا۔ اس نے ایک قصیدہ پڑھا۔ جس میں اہل مدینہ کے مصائب و آلام اور مشکلات کا ذکر تھا۔ سیدنا عمر ثانی نے ان کے لیے غلہ اور نقد روپیہ بھیجا اور جریر سے پوچھا۔ تم کس جماعت کے ہو، مہاجرین سے یا انصار سے یا ان کے اعزاز و اقرباء سے یا مجاہدین سے؟ اس نے کہا: میں ان میں سے کسی سے نہیں ہوں۔ فرمایا: پھر مسلمانوں کے مال میں سے تمہارا کیا حق ہے؟ اس نے کہا: "اگر آپ میرے حق کو تسلیم کریں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں میرا حق مقرر فرمایا ہے۔ میں "ابن سبیل" (مسافر) ہوں۔ دور دراز سے سفر کر کے آپ کے دروازے پر آ کر ٹھہرا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اچھا اب جبکہ تم میرے پاس آ ہی گئے ہو تو میں اپنے ذاتی خرچے سے تمہیں بیس درہم دیتا ہوں یہ لے لو۔ اس حقیر رقم پر تم خواہ میری تعریف کرو یا مذمت۔ میری مدح کرو یا ہجو۔ جریر نے اس حقیر رقم کو بھی غنیمت سمجھ کر لے لیا اور باہر آ گیا۔ دوسرے شعراء نے جو اس کو بارگاہ خلافت سے باہر نکلتے دیکھا۔ تو دوڑ کر پوچھا "ابو حزرہ! کیا معاملہ رہا؟" جریر نے جواب دیا: "اپنا راستہ ناپو یہ شخص شعراء کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے۔"[۱]

﴿اہلِ حق کی قدر دانی﴾ (قصہ ۷۱)

مدینہ والوں میں آپ کے بہترین مصاحب عبیداللہ بن عتبہ تھے۔ یہ حضرت عمرؒ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے لیکن پھر بھی ان کی عظیم محبت آپ کے دل میں جوش مارتی رہتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے: "بخدا! میں عبیداللہ کی ایک رات سرکاری خزانہ سے ایک ہزار دینار میں خرید لوں گا" پوچھا گیا: "امیر المومنین! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں جب کہ آپ سرکاری خزانہ کے بارے میں نہایت محتاط ہیں؟" فرمایا: تمہاری عقلیں کہاں گئیں؟ بخدا! میں ان کی رائے خیر خواہی اور ہدایت سے بیت المال میں کروڑوں جمع کر دوں گا" ایک مرتبہ فرمایا: "اگر مجھے عبیداللہ کی ایک مجلس نصیب ہو جائے تو وہ مجھے دنیا سے اور جو کچھ اس دنیا میں ہے سب سے زیادہ محبوب ہے۔"[۲]

---

[۱] سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۹۷-۱۹۸ [۲] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۵۹

(قصہ ۷۲) ﴿آپؒ کی نگاہ میں معلمین وقضاۃ کا مقام﴾

حضرت عمرؒ نے اپنے عہد خلافت میں معلمین اور قاضیوں کے لیے فراخی اور وسعت رزق کے دروازے کھول دیے لیکن اپنے سے وابستہ اور دوسرے کے رزق کے دروازے بند کر دیے۔ چنانچہ ایک دن ابن ابی زکریا نے آپ سے کہا: "مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ اپنے ہر عامل کو تین سو دینار دیتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: "امیر المومنین! آپ دوسرے کے مقابلہ میں ان کے زیادہ حقدار ہیں"۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بچے کرتے سے اپنا ہاتھ نکال کر فرمایا "ابن ابی زکریا! اس کی مالی حالت سے پوشیدہ ہوئی ہے۔ اب میں ان کی طرف واپس ایک پیسہ بھی نہ لوٹاؤں گا۔" آپ کی نگاہ میں قاضی اور معلمین کی تنخواہ کی یا اجرت کی مقدار تھی ہمیشہ آپ نے اس سے بھی زیادہ تنخواہیں مقرر کی تھیں کہ بعض لوگوں کو آپ نے سو دینار ماہانہ تک تنخواہ دی۔[1]

(قصہ ۷۳) ﴿ہم نے بھی راہ عشق کی طے کی ہیں منزلیں﴾

وہ شخص جس کو بادشاہ دیکھتے ہوں کی ایک نگاہ پڑنے کی سے پیاسا ہو جاتا تھا اور پھر اس کو دوبارہ پہننے کی نوبت نہیں آتی تھی اب اس کے پاس صرف ایک جوڑا کپڑے کا رہتا تھا اور اسی کو دھو دھو کر وہ پہنا کرتے تھے۔

مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص بھی نہ تھی کہ اس کو بدل کر دوسری قمیص پہنی جا سکے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کی اہلیہ کے بھائی مسلمہ بن عبد الملک نے آپ کی اہلیہ اور اپنی بہن فاطمہ سے کہا کہ آپ کی قمیص چونکہ میلی ہو گئی ہے۔ بڑے بڑے لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے ہیں، لہٰذا دوسری قمیص بدل دیں۔ انہوں نے کہا انشاء اللہ بدل دیں گے پھر جب وہ دوسرے دن آئے تو دیکھا آپ نے وہی قمیص پہنی ہوئی تھی تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ ان کی قمیص بدل دو لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں انہوں نے تنگ آ کر آنکھوں میں آنسو لا کر دل سے کہا: بھائی! خدا

۱۔ سیرۃ ابن جوزی ص ۲۷ ملخصا

پیشگی تنخواہ لے کر مقروض رہوں اور پھر معذرت خواہ ہوں''۔

جواب پڑھ کر اہلیہ سے فرمایا: رقم کا بندوبست نہیں ہو سکا لہٰذا پرانے کپڑوں کو دھو دو، کل بچے وہی دھلے ہوئے کپڑے پہن کر عید کر لیں گے۔

(قصہ ۷۶) ﴿یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے بہتر ہے.....!﴾

جب کبھی اچھی شے کھانے کی خواہش ہوتی تو وہ خواہش دل میں گھٹ کر رہ جاتی کیونکہ اس کو پورا کرنے کی قدرت نہ تھی۔

ایک مرتبہ انگور کھانے کو جی چاہا۔ اپنی اہلیہ سے پوچھا: ''تمہارے پاس ایک درہم ہے؟ میرا انگور کھانے کو جی چاہ رہا ہے''۔ انہوں نے جل بھن کر جواب دیا: ''آپ امیر المومنین ہیں کہ جیب میں ایک درہم بھی نہیں''۔

جواب میں فرمایا: ''یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے میرے لیے زیادہ آسان ہے''۔

(یعنی جہنم کی ہتھکڑیاں پہننے سے یہ بات زیادہ آسان ہے کہ جیب میں ایک درہم بھی نہ ہو) ۱؎

(قصہ ۷۷) ﴿ماضی کی یاد﴾

ایک روز آپ کو خلافت سے پہلے کا اطمینان و فراغت کا زمانہ یاد آ گیا۔ آپ نے اہلیہ سے کہا:

''ہمارا گزشتہ زمانہ زیادہ راحت بخش اور خوشی آمیز تھا''۔

اہلیہ نے کہا: ''آج تو آپ کو اس زمانہ سے کہیں زیادہ اقتدار و اختیار حاصل ہے۔ اس وقت آپ صرف ایک صوبے کے حاکم تھے اور آج پوری مملکت اسلامیہ آپ کے زیر اقتدار ہے اور کوئی شخص روک ٹوک کرنے والا نہیں''۔

اہلیہ کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپ نے بڑے غمگین لہجے میں فرمایا:

۱؎ طبقات ابن سعد (۲۰۳/۵)   ۲؎ البدایہ والنہایہ (۲۸۵/۹) سیرت ابن جوزی ص ۲۰۰

''فاطمہ! تم صرف یہ دیکھ رہی ہو کہ میں ساری سلطنت کا فرماں روا ہوں۔ ذرا اس ذمہ داری کا بھی خیال کرو جو اس فرماں روائی کی وجہ سے میرے نازک کندھوں پر آن پڑی ہے میں آخرت کے خوف سے لرزہ براندام ہوتا ہوں''۔

''انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم[1]

''اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو (اس کی پاداش میں) ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں''۔

اس جواب میں ایسا درد و سوز تھا کہ آپؒ کی اہلیہ محترمہ فاطمہؒ بھی بے اختیار رونے لگیں کہ: ''اے اللہ! ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھیو''۔[2]

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب سرد ہوا چلی، میں نے تجھے یاد کیا

(قصہ ۷۸) ﴿قبر کا پیغام انسانیت کے نام﴾

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نہ صرف آخرت سے خوف کھاتے رہتے تھے بلکہ آخرت سے قبل قبر کی یاد بھی انہیں ہر وقت ستائے رکھتی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ قبرستان میں پہنچ کر ایک طرف بیٹھ گئے اور کچھ سوچنے لگے۔ آپ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور رگیں پھول گئیں۔ کسی شخص نے عرض کیا: ''امیر المومنین! آپ اس جنازے کے ولی تھے، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے؟'' فرمایا: ''ہاں! مجھے ایک قبر نے آواز دی ہے اور مجھ سے یوں کہا: ''اے عمر! تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنے والوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کرتی ہوں''؟ میں نے کہا: ''بتا کر تو ان کے ساتھ کیا کرتی ہے''؟ پھر فرمایا:

''قبر ہر ایک کو پکارتی ہے۔ ہر ایک کو پیغام دیتی ہے۔ ہر ایک کو ہر روز اپنے بارے میں بتاتی ہے۔ وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان کرتی ہے: اے آدم کے

[1] الزمر ۱۳ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۴۶

(قصہ ۸۰) دل کو مرے شعور محبت بھی جب نہ تھا

روایات میں ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے موت کا خوف دامن گیر رہتا تھا۔ کم سنی میں بھی جب آپ کو موت کا خیال آتا تو زاروقطار رو پڑتے۔ ایک روز آپ کی والدہ کو پتہ چلا کہ آپ رو رہے ہیں۔ اس وقت آپ قرآن حکیم کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ نے رونے کا سبب معلوم کرایا تو پتہ چلا کہ آپ موت یاد آنے سے رو رہے ہیں۔ یہ سن کر والدہ بھی رونے لگیں کیونکہ ان کو بھی موت یاد آ گئی اور اس لیے بھی آپ کے بیٹے کو اس بچپنے ہی میں یہ خیال آ رہا ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔[1]

اس وقت سے میں تیرا پرستار حسن ہوں
دل کو مرے شعور محبت بھی جب نہ تھا

(قصہ ۸۱) غم آخرت کا روشن چراغ

حضرت عمر رحمہ اللہ کے شباب کی تازگی کو ختم کرنے والی چیز قبرستان کی زیارت سے بڑھ کر اور کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ چنانچہ میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کے ساتھ قبرستان گیا۔ آپ قبریں دیکھ کر رونے لگے پھر آپ نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: یہ میرے خاندان کے بزرگوں کی قبریں ہیں گویا انہوں نے دنیا میں عیش و آرام کیا ہی نہ تھا۔ ان پر بوسیدگی نے اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں اور ان کے جسموں میں کیڑے مکوڑے تیر گئے ہیں پھر آپ دیر تک روتے رہے۔

آپ تلاوت کرتے تو ان آیات کو جن میں قیامت کا ذکر ہے، پڑھ کر تڑپ اٹھتے چنانچہ ایک بار گھر والوں نے دیکھا کہ ان کی اہلیہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہیں۔ بھائیوں نے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو انہوں نے جواب دیا: رات میں نے امیر المؤمنین کو عجیب دل گداز حالت میں دیکھا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ:

---

[1] سیرت ابن الجوزی ص ۱۹

یوم یکون الناس کالفراش المبثوث، و تکون الجبال کالعھن المنفوش [1]

"جس روز انسان پراگندہ پتنگوں کی طرح ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے"

تو چیخ ماری پھر اچھلے اور اچھل کر اس طرح گر پڑے کہ یوں معلوم ہوا کہ دم توڑ رہے ہیں پھر ایسے ساکن و ساکت ہوئے کہ میں سمجھی کہ دم نکل گیا ہے۔ ہوش میں آئے تو پھر نعرہ مارا۔ پھر اچھلے اور تمام گھر میں پھر کر کہنے لگے: "ہائے وہ دن جس روز انسان پراگندہ پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں گے" پھر گر پڑے اور ایسی حالت ہو گئی کہ میں نے سمجھا کہ کام تمام ہو گیا یہاں تک کہ موذن نے اذان دی تو ہوش میں آ گئے۔[2]

(قصہ ۸۲) ﴿عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا﴾

ایک موقع پر آپ کے خیر خواہوں نے آپ سے عرض کیا کہ گذشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی دیکھ بھال کر کھانا کھایا کریں اور دشمنوں اور مخالفین کے حملوں کی حفاظت کے لئے نماز میں پہرہ کا اہتمام کیا کریں۔ آپ نے ان حضرات کا یہ مشورہ سن کر فرمایا: "ان لوگوں نے اپنی اتنی حفاظت کی پھر بھی ان کا کیا ہوا؟ کیا وہ مرے نہیں؟"۔

جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: "اے اللہ! اگر میں تیرے علم میں روز قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دے!"[3]

درد دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا
عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

---

۱ القارعہ: ۴-۵

۲ سیرت عمر بن عبد العزیز ص ۱۹ ۳ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۹۰

(قصہ ۸۳) ﴿اہلِ اقتدار کے لئے راہنما اصول﴾

بیت المال کی طرف سے فقراء اور مساکین کے لیے جو مہمان خانہ (دارالضیوف) تھا۔ اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی بھی گرم نہ کراتے تھے۔ ایک مرتبہ غفلت میں آپ کا ملازم ایک ماہ تک اسی باورچی خانہ سے آپ کے وضو کے لیے پانی گرم کرتا رہا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو جتنی لکڑی ملازم نے اس مہینے میں استعمال کی تھی اتنی لکڑی خرید کر اس باورچی خانہ میں داخل کرائی۔

ایک دفعہ ایک غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا وہ اتنی جلدی سے بھون کر لے آیا آپ کو پتہ چلا تو آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور غلام سے فرمایا تم ہی کھا لو یہ میری قسمت کا نہ تھا۔[1]

(قصہ ۸۴) ﴿مسلمانوں کے مال کی حفاظت﴾

ایک مرتبہ کہیں سے سیب آئے اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ انہیں مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ کا چھوٹا بچہ ڈھیر میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے وہ سیب چھین لیا جس پر وہ رونے لگا اور جا کر اپنی والدہ سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ گھر آئے تو انہیں سیب کی خوشبو محسوس ہوئی۔ فوراً پوچھا: "فاطمہ! کوئی سرکاری سیب تو تمہارے پاس نہیں آیا؟" انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا کہ آپ نے ایک معصوم بچے سے سیب چھینا۔ فرمایا: "خدا کی قسم! میں نے سیب اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا۔ بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا"۔

لیکن مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ مسلمانوں کے حصے کے ایک سیب کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے نفس کو برباد کروں۔[2]

---

۱. سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۶   ۲. سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۱۴۰

(قصہ ۸۵) لبنان کا شہد

روایات میں ہے کہ آپ کو لبنان کا شہد بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اس شہد کی خواہش ظاہر کی۔ وفا شعار اہلیہ نے وہاں کے حاکم ابن معدی کرب کے پاس کہلا بھیجا۔ انہوں نے آپ کے لیے بہت سا شہد بھجوا دیا۔ فاطمہؒ نے اسے امیر المومنین کو دیا کہ یہی شہد آپ کو بہت پسند ہے۔ آپ نے شہد دیکھ کر فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ابن معدی کرب کے پاس کہلا بھیجا تھا۔ انہوں نے ہی یہ بھیجا ہے میں اس کو ہرگز نہیں کھاؤں گا۔

چنانچہ آپ نے سارا شہد فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں جمع کر دی۔ اور ابن معدی کرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد بھیجا ہے۔ خدا کی قسم! اگر آئندہ تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو تم اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکو گے اور میں تمہارے چہرہ پر نگاہ بھی نہیں ڈالوں گا۔[1]

(قصہ ۸۶) حکیمانہ اندازِ تربیت

حضرت عمرؒ نے جیسا سلوک اپنی اہلیہ سے کیا ویسا ہی اپنی اولاد سے بھی کیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی ایک بچی نے آپ کو ایک موتی بھیجا۔ اور درخواست کی کہ میرے لئے اس جیسا ایک موتی بھیج دیں تاکہ میں اپنے دونوں کانوں میں ایک جیسے موتی پہن سکوں۔ آپ نے اس کے پاس دو انگارے بھیج دیے اور فرمایا: اگر تم یہ دونوں انگارے اپنے کانوں میں پہن سکتی ہو تو تمہارے لیے اس موتی جیسا دوسرا موتی بھیج دوں گا۔[2]

(قصہ ۸۷) اللہ اس پر رحم کرے......

اسی طرح آپ کے ایک صاحبزادے نے انگوٹھی کا ایک نگینہ ایک ہزار درہم میں خریدا۔ آپ کو پتہ چلا تو اسے لکھا "تمہیں اللہ کی قسم! اس انگوٹھی کو جسے تم نے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، فوراً فروخت کر دو، اور اس کی قیمت اللہ کے راستے میں دے دو، اور ایک درہم کی دوسری انگوٹھی خرید و جس پر یہ کندہ ہو "اللہ اس پر رحم فرمائے جو اپنا مرتبہ پہچانے"

والسلام۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۸　　[2] سیرت ابن عبدالحکم ص ۱۹۳

(قصہ ۸۸) ﴿غلام کے تاثرات﴾

خلیفہ ہونے کے بعد آپ نے ایک مرتبہ اپنے غلام سے جس کا نام درہم تھا، پوچھا: "لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس نے کہا "لوگ کیا کہیں گے۔ عوام اور خواص سب مزے میں ہیں صرف میں اور آپ سخت تکلیف میں ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے پوچھا: کیوں؟ غلام درہم نے جواب دیا: آپ کو خلافت سے قبل عمدہ اور خوشبودار لباس میں عمدہ گھوڑے پر اور خوشگوار طعام سے دیکھا تھا لیکن خلافت کے بعد سے یہ تنگی کہ مجھے آرام نصیب کا حق نہیں مجھ پر کام بڑھ گیا اور آپ بھی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔

یہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے اسے آزاد کر دیا اور فرمایا "جاؤ جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اسی حال میں خوش ہوں" امید ہے اللہ تعالیٰ میرے لئے خوشی اور کشادگی کا راستہ کھول دے گا۔[1]

(قصہ ۸۹) ﴿ہدیہ یا رشوت﴾

کہا جاتا ہے کہ لوگ خلفاء اور امراء کو ہدیہ اور تحائف بھیجا کرتے تھے اور اس کے بدلے میں ان سے جائز اور ناجائز کام لیتے تھے اس لیے آپ ہدیہ رشوت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو سیب اور دوسرے کئی میوہ جات ہدیہ میں بھیجے۔ آپ نے واپس کر دیے۔ بھیجنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو ہدیہ قبول کر لیا کرتے تھے۔ آپ نے جواب دیا۔

"ان الهدية كانت له هدية، وهي اليوم لنا رشوة"

"ہدیہ تو آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہوتا تھا لیکن آج وہ ہدیہ ہمارے لیے رشوت ہے۔"[2]

۱۔ [illegible]

۲۔ [illegible]

(قصہ ۹۰) ﴿"خادمہ کی خدمت"﴾

باندیوں اور غلاموں سے اس زمانے میں وہ سلوک نہیں کیا جاتا تھا جو عام آزاد لوگوں سے کیا جاتا۔ آپ نے ان سے یہ غیر مساویانہ سلوک ختم کر دیا اور آپ ان سے اچھا مساویانہ سلوک اور برتاؤ کرتے تھے کہ کبھی کبھی خود بھی ملازمین کی خدمت کرتے تھے جس طرح کہ ملازمین ان کی خدمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خادمہ آپ کو پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے جونہی اس کو سوتے دیکھا اس کے ہاتھ سے پنکھا لے کر اس کو جھلنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی۔ آپ نے اس سے فرمایا: کوئی بات نہیں آخر تم بھی میری طرح ایک انسان ہو۔ تمہیں بھی گرمی لگتی ہے۔ جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی۔ میں نے بھی مناسب سمجھا۔ کہنے والے نے حضرت عمرؒ کے بارے میں بھی کہا تھا: "وہ محمود غزنیؒ کی شان، خود پیدل اور گھوڑے پر غلام"[۱]

(قصہ ۹۱) ﴿ماتحتوں سے حسن سلوک﴾

ملازمین کے آرام میں خلل ڈالنا آپ کو گوارا نہیں تھا۔ چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ ان کے لیے آرام کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا دوسروں کے لیے ضروری ہے۔ جب دیکھتے کہ کوئی ملازم سویا ہوا ہے یا آرام کر رہا ہے تو ان اوقات میں آپ اپنا کام خود کر لیتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ رجاء بن حیوۃ سے ملاقات کچھ طویل ہو گئی اور رات زیادہ ہو گئی اور چراغ ٹمٹمانے لگا۔ آپ کے پاس ہی ملازم سویا ہوا تھا۔ رجاء نے کہا: "امیر المومنین! اسے جگا دوں تاکہ یہ چراغ میں تیل ڈال دے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں اسے سونے دو۔ سارے دن کا تھکا ماندہ ہے۔" رجاء نے اب خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا آپ نے انہیں روک دیا کہ مہمان سے کام لینا مروت اور حسن اخلاق کے خلاف ہے۔ چنانچہ آپؒ نے خود اٹھ کر زیتون کا تیل لیا اور چراغ میں ڈال کر اس کو درست کیا۔ پھر آ کر فرمایا: "جب میں اٹھا تھا۔

۱۔ سیرت عمر بن عبد العزیزؒ ص ۱۰۳، سیر الصحابہ جلد ۶ ص ۲۰۸

کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا البتہ ایک کہنے والے کی یہ بات سنائی دے رہی تھی وہ کہہ رہا تھا:

"اے امیر المؤمنین! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری مبارک ہو، میں اور میرا ایک ساتھی جس کو آپ نے ابھی دفن کیا ہے جنات کی اس قوم سے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے

"واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن"[1]

"اور جب ہم نے آپ کی طرف چند ایک جنوں کو پھیر دیا جو قرآن سن رہے تھے"

جب ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اس ساتھی سے فرمایا تھا "تم کسی آب و گیاہ وادی میں مرو گے اور تمہیں اس وقت دنیا والوں میں سے سب سے افضل انسان دفن کریگا"۔

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس قدر زار و قطار روئے کہ قریب تھا کہ آپ اپنی سواری سے زمین پر گر جائیں گے۔ آپ نے عباس بن راشد سے فرمایا:

"اے راشد! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں، کہ اس واقعہ کی خبر اس وقت کسی کو نہ دینا جب تک مجھے مٹی نہ چھپا دے"۔

یعنی جب تک میرا انتقال نہ ہو جائے اور مجھے قبر میں دفن نہ کر دیا جائے[2]

(قصہ ۹۵) ﴿جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے﴾

عثمان بن راشد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سلیمان کے ساتھ "عرفہ" میں کھڑے تھے کہ اچانک زور دار بجلی کڑکی۔ سلیمان نے خوف کے مارے اپنا سینہ سواری کے اگلے حصے پر رکھ دیا اور خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا۔

حضرت عمرؒ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

"اے امیر المؤمنین! یہ بجلی جو کڑکی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آئی ہے اگر یہی بجلی اس کے غضب و ناراضگی کے ساتھ آ جائے تو اس وقت کیا حالت ہوگی"[3]

---

[1] الاحقاف ۲۹ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۰

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۳۱ [illegible] لابن عبدالحکم ص ۳۷

مزاحم کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمرؒ کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئیں اور پھر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گالوں کے اوپر سے بہنے لگے۔ آپ اپنے چہرے سے آنسوؤں کو پونچھ رہے تھے اور یہ کہتے جا رہے تھے کہ:

"میرے بچوں کے رزق کا اللہ مالک ہے"۔

اس واقعے کے بعد مزاحم حضرت عمرؒ کے صاحبزادے عبدالملک کے پاس چلے گئے اجازت طلب کی، اجازت ملی تو اندر داخل ہوئے، عبدالملک قیلولے کی غرض سے لیٹ چکے تھے۔ انہوں نے مزاحم سے کہا:

آپ کو اس وقت کس چیز نے یہاں آنے پر مجبور کیا ہے؟ کیا کوئی بڑی بات پیش آگئی ہے؟ مزاحم نے جواب دیا: جی ہاں! آپ کے لئے اور آپ کے سب بہن بھائیوں کے لئے بہت بڑا سانحہ پیش آیا ہے۔ عبدالملک نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ مزاحم نے کہا: مجھے امیرالمومنین نے بلایا تھا۔ پھر حضرت عمر رحمہ اللہ نے مزاحم سے جو کہا (یعنی ان کا نفقہ وغیرہ کم کرنے کے بارے میں جس سے آپ کی اولاد کا گزر بسر ہوتا تھا) سب انہوں نے عبدالملک کو بتایا۔ عبدالملک نے پوچھا: آپ نے کیا جواب دیا؟ مزاحم نے کہا: میں نے کہا: "امیرالمومنین آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ عبدالملک نے پوچھا انہوں نے کیا جواب دیا؟ مزاحم نے بتایا: وہ رونے لگے اور انہوں نے کہا کہ ان کے رزق کا اللہ تعالیٰ نگہبان ہے۔

یہ سن کر عبدالملک نے کہا: "اے مزاحم! تم کتنے برے ہمنشین ہو" یہ کہہ کر جلدی سے اٹھے اور اپنے والد ماجد کے دروازے کے پاس چلے گئے اور اندر جانے کی اجازت چاہی۔ نگران نے جواب دیا کہ: امیرالمومنین قیلولے کے لئے لیٹ چکے ہیں۔ عبدالملک نے کہا: "مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیجئے۔ نگران نے پھر کہا کیا آپ لوگ امیرالمومنین پر نرمی نہیں کرتے۔ ان کے پاس دن و رات کے لمحات میں بس یہی ایک لمحہ آرام کرنے کے لئے ہے۔ عبدالملک اجازت کے لئے اصرار کرتے رہے۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؒ نے ان کی گفتگو سن لی۔ آپؒ نے پوچھا کون ہے۔ بتایا گیا: عبدالملک ہیں۔ آپ نے فرمایا "اسے اندر آنے کی اجازت دے دو"۔

عبدالملک اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ حضرت عمرؒ قیلولہ کے لئے چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ آپؒ نے پیار بھرے لہجے میں پوچھا "اے پیارے بیٹے! تمہیں اس وقت آنے کی کیا ضرورت درپیش ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: مجھے مزاحم نے سارا واقعہ بتا دیا ہے۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ عبدالملک نے جواب دیا "میری رائے یہ ہے کہ آپ کی بات کو عملی شکل دے دی جائے"۔

یہ سن کر حضرت عمرؒ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور اللہ کا شکر ادا کیا:

"الحمد لله الذی جعل لی من ذریتی من یعیننی علی امر دینی"

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسی اولاد عطا فرمائی جو دین کے کاموں میں میری مددگار ہے"۔

پھر حضرت عمرؒ نے فرمایا: میرے پیارے بیٹے میں ظہر کی نماز پڑھوں گا اور پھر منبر پر چڑھ کر سب لوگوں کے سامنے ان تحائف کو واپس کرنے کا اعلان کروں گا۔ عبدالملک نے یہ سن کر کہا: اے امیر المومنین! آپ کو کیا معلوم کہ آپ ظہر کی نماز تک زندہ بھی رہیں گے یا نہیں؟ حضرت عمرؒ نے فرمایا: اس وقت لوگ جا چکے ہیں، اور گھروں میں استراحت کر رہے ہوں گے۔ عبدالملک نے کہا: آپ اپنے اعلان کرنے والے کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کو جمع ہونے کا اعلان کر دے تو لوگ جمع ہو جائیں گے۔

چنانچہ اعلان کرنے والے نے اعلان کیا اور لوگ جمع ہو گئے۔

پھر حضرت عمرؒ اپنے گھر سے نکل کر مسجد پہنچے اور منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا:

"امابعد! وہ لوگ ہمیں تحفے و تحائف دیا کرتے تھے، اللہ کی قسم! ان کے لئے ہمیں تحفے دینا درست نہیں ہے، اور نہ ہی ہمارے لئے ان تحفوں کو قبول کرنا درست ہے اور میرے لئے اس معاملے میں اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی میرا محاسبہ کرنے والا نہیں ہے۔ خبردار! میں لوٹا ان تمام
عطیوں اور تحفوں کو واپس لوٹاتا ہوں اور اس کی ابتداء میں اپنی ذات
سے اور اپنے گھر والوں سے کرتا ہوں ۔۔۔!"

پھر آپؒ نے حضرت مزاحمؒ کو ان تحائف کی دستاویزات پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مزاحم مسلسل دستاویزات پڑھتے رہے اور حضرت عمرؒ مسلسل ان تحفوں کو واپس لوٹاتے رہے یہاں تک کہ نماز ظہر کی اذان ہوگئی۔ اس طرح آپ نے اپنے خاندان کی ایک ایک جاگیر واپس کردی اور ایک تنکا بھی اپنے پاس نہ رہنے دیا۔

(قصہ ۹۷) ﴿ ہوئی جب چشم غفلت آشنائے جلوۂ وحدت ﴾

یعقوب نے اپنے والد کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بہت اعلیٰ معیار کا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے، اور عطر وخوشبو لگانے میں بہت زیادہ اسراف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ میں نے "عنبر" کو ان کی داڑھی پر ایسے نمک سے بھرے ہوئے دیکھا ہے جیسے نمک پڑا ہوا ہو یعنی آپ کے نزدیک کوئی حد نہ تھی۔ لیکن جب خلافت کی ذمہ داری آپ کو سپرد کی گئی تو آپ کی حالت یکسر بدل گئی یہاں تک کہ آپ نے اپنی ہر قسم کی آسائش زندگی کو فراموش کرڈالا۔

کہتے ہیں کہ رباح بن عبیدہ جو کہ اہل بصرہ میں سے ایک تاجر تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے انہوں نے رباح سے کہا کہ میرے لئے ایک خاص ریشم کا نرم وملائم جبہ خرید کر لاؤ۔ رباح حضرت عمرؒ کے لئے دس دینار کا ایک عمدہ ترین جبہ خرید کر لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس جبے کو چھوا اور فرمایا: "مجھے تو یہ کھردرا معلوم ہورہا ہے"۔

جب حضرت عمرؒ خلیفہ بنے تو پھر آپؒ نے رباح کو جبہ خریدنے کا حکم دیا تو انہوں نے آپ کے لئے ایک دینار میں اون کا ایک جبہ خریدا اور ان کی خدمت میں پیش کیا

---

۱ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۷۰، ص ۱۹۹، طبقات ابن سعد (۳۵۲/۵) البدایہ والنہایہ (۲۰۰/۹)

شریک ہونے کا اتفاق ہوا، اس دن موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ نماز جنازہ پڑھی گئی حضرت عمرؒ کا سامنا ایک ایسے غریب آدمی سے ہوا جس کے پاس چادر وغیرہ نہیں تھی (کہ جس سے وہ بارش سے اپنا بدن بچاتا) اس دوران حضرت عمرؒ نے اس شخص کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی چادر کے زائد حصے سے اس کو ڈھانپ لیا۔

پھر حضرت عمرؒ نے جنازے کو کندھا دینا شروع کیا آپ نے جنازے کی چارپائی کے دائیں طرف کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھایا پھر چارپائی کے بائیں حصے کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھایا پھر آپ جنازے کے آگے چلنے لگے اور لوگ جنازے کی چارپائی کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

جب میت کی تدفین ہوگئی تو آپ اس شخص کی قبر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے اور اپنی انگلی سے اشارہ کر کے دعا مانگنے لگے کہ:

"اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ ما تعلم"

"اے ہمارے پروردگار اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کو ان تمام باتوں کو معاف فرما جو تیرے علم میں ہیں"۔

حکم بن عمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؒ کو دیکھا کہ کبھی مسلمانوں کے اس حلقے میں بیٹھے ہیں اور کبھی اس دوسرے حلقے میں بیٹھے ہیں۔ بسا اوقات کوئی اجنبی آدمی آتا تو وہ حضرت عمرؒ کو نہ پہچان سکتا، وہ حلقے کے پاس کھڑا ہو جاتا اور پہچاننے کی کوشش کرتا مگر جب نہ پہچان سکتا تو لوگوں سے پوچھتا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ کس حلقہ میں ہیں؟ آخر کار اس کو اشارہ کر کے بتایا جاتا کہ "یہ ہیں امیر المومنین"۔[1]

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پہ مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ص ۲۳۷ ج ۱

﴿قصہ ۱۰۰﴾ ﴿حضرت عمرؒ کا دو خارجیوں سے دلچسپ مکالمہ﴾

دو خارجی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آئے ان دونوں نے ان الفاظ میں آپؒ کو سلام کیا: ''السلام علیک یا انسان'' اے انسان! تجھ پر سلامتی ہو۔

حضرت عمرؒ نے جواب دیا:

''وعلیکم السلام یا انسانان'' اے دو انسانو! تم پر بھی سلامتی ہو۔

خارجی: خدا کی اطاعت اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس کی اتباع کریں۔

حضرت عمرؒ: جو اس بات سے جاہل رہا وہ گمراہ ہو گیا۔

خارجی: تمام اموال و اسباب مالداروں کے پاس نہیں ہونا چاہئے۔

حضرت عمرؒ: بادشاہ و مالدار (امراء ظالم) ان مال و اسباب سے محروم کئے جا چکے ہیں۔

خارجی: اللہ کا مال اس کے (حقدار) بندوں میں تقسیم کیا جائے۔

حضرت عمرؒ: اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں تمام تفصیلات اپنی کتاب میں بیان فرما دی ہیں۔

خارجی: نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے۔

حضرت عمرؒ: یہ بھی نماز کے حقوق میں سے ہے۔

خارجی: نماز میں صفیں سیدھی رکھی جائیں۔

حضرت عمرؒ: یہ اتمام سنت میں سے ہے۔

خارجی: ہمیں آپ کی طرف بھیجا گیا ہے۔

حضرت عمرؒ: تم بات بتاؤ دراز نہ کرو۔

خارجی: ہم دونوں کے درمیان حق اور انصاف سے معاملہ کیجئے۔

حضرت عمرؒ: تم دونوں سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے چکے ہیں۔

خارجی: حکم کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت عمرؒ: اگر تم اس کلمہ کے ساتھ باطل کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو تو یہ کلمہ برحق ہے۔

خارجی: امانتیں امانتداروں کے حوالے کیجئے۔

حضرت عمرؒ: وہی تو میرے مددگار ہیں۔

خارجی: خیانت سے بچو۔

حضرت عمرؒ: خیانت سے تو چور کو بچنا چاہیے۔

خارجی: پھر شراب اور خنزیر کا گوشت!

حضرت عمرؒ: اہلِ شرک اور غیر مسلم اس کے حقدار ہیں۔

خارجی: جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا تو وہ امن والا ہوگیا۔

حضرت عمرؒ: اگر اسلام نہ ہوتا تو ہم امن والے نہ ہوتے۔

خارجی: رسول اللہ ﷺ کے عہد والے۔

حضرت عمرؒ: ان کے لیے ان کے عہود ہیں۔

خارجی: ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

حضرت عمرؒ: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا[1]

خارجی: یہود و نصاریٰ کی عبادتگاہوں کو تباہ کر دیجئے۔

حضرت عمرؒ: یہ تو میری رعایا کے ضرورت کی چیزیں ہیں۔

خارجی: ہمیں قرآن مجید سے نصیحت کیجئے۔

حضرت عمرؒ: "واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله"[2]

"اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا"۔

خارجی: ہمیں ان کی طرف واپس بھیج دیں جنہوں نے ہمیں بھیجا ہے۔

حضرت عمرؒ: میں نے تمہیں روکا ہی کب ہے۔

خارجی: آپ ہمارے بھائیوں کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

حضرت عمرؒ: میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں نہ ان کی بات سنی۔

خارجی: ہمیں بریدکی سواریوں پر واپس بھیجئے۔

حضرت عمرؒ: یہ نہیں ہوسکتا، وہ اللہ کا مال ہے، جو میں تمہارے لئے جائز نہیں سمجھتا۔

خارجی: ہمارے پاس تو مال و اسباب نہیں ہے۔

حضرت عمرؒ: پھر تو تم دونوں مسافر ہو لہٰذا تمہارا خرچ میرے ذمہ ہے[3]

---

[1] البقرہ:۲۸۶ [2] البقرہ:۲۸۱ [3] [illegible] ص ۱۰۰

(قصہ ۱۰۱) ﴿حضرت عمرؒ کا دو خارجیوں سے مناظرہ﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے محمد بن زبیر حنظلی کو عون بن عبداللہ بن مسعود کے ساتھ شوذب خارجی اور اس کے ہمنواؤں کے پاس بھیجا جبکہ وہ جزیرہ سے نکل کر علم بغاوت بلند کر چکے تھے۔ محمد بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؒ نے ہمیں ان کے لئے ایک خط بھی دیا۔ چنانچہ جب ہم ان کے پاس پہنچے اور حضرت عمرؒ کا خط اور پیغام انہیں پہنچایا تو انہوں نے ہمارے ساتھ دو آدمیوں کو روانہ کیا۔ ان میں سے ایک بنو شیبان کا رہنے والا تھا اور دوسرا حبشی تھا (تاریخ ابن اثیر کے مطابق اس کا نام ''عاصم'' تھا) اور وہ زبان کا بہت تیز اور دلیل و ثبوت میں بہت غالب آنے والا تھا۔

چنانچہ ہم ان دونوں کو ساتھ لیکر حضرت عمرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؒ اس وقت ''خناصرۃ'' میں تھے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس کمرے میں گئے جس کمرے میں آپ کے ساتھ آپ کے فرزند ارجمند عبدالملک اور آپ کا کاتب مزاحم بھی تھا۔ ہم نے حضرت عمرؒ کو ان دونوں خارجیوں سے متعارف کرایا تو حضرت عمرؒ نے فرمایا: ان دونوں کی تلاشی لو کہیں ان کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ تو نہیں ہے اور پھر تلاشی و اطمینان کے بعد انہیں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ ان حضرات نے ایسے ہی کیا۔ جب اطمینان ہوا تو ان کو حضرت عمرؒ کی خدمت میں پیش کیا وہ آئے اور انہوں نے حضرت عمرؒ کو سلام کیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؒ نے ان سے کہا: تمہیں کس چیز نے بغاوت پر مجبور کیا ہے؟ اور تم ہم سے کس چیز کا انتقام لے رہے ہو؟ اور کس وجہ سے عیب لگا رہے ہو۔

چنانچہ حبشی (عاصم) بولا: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کی سیرت و کردار کے بارے آپ کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ کیونکہ آپ تو بلاشبہ عدل و احسان کو پھیلا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے اور آپ کے درمیان ایک ایسا معاملہ ہے اگر آپ نے ہمیں وہ عطا کیا اور ہماری بات مانی تو آپ کا اور ہمارا گہرا تعلق ہوگا، اور اگر آپ نے ہمیں اسے منع کیا یعنی ہماری بات نہ مانی بلکہ اس کی مخالفت کی تو آپ کے اور ہمارے درمیان کوئی راہ و رسم نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہ بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے خاندان اور اپنے اسلاف کے اعمال کی مخالفت کرتے ہیں اور آپ ان کے طریقے کے علاوہ کسی اور طریقے پر عمل پیرا ہیں اور ان کے طریقے کو مظالم سے تعبیر کرتے ہیں۔ (یعنی بنو امیہ کے سرداروں نے جو لوگوں کے مال پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا) لہٰذا اگر آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ہدایت پر ہیں اور وہ گمراہی پر ہیں تو ان سے براءت کا اظہار فرماتے ہیں اور ان پر لعنت کریں، بس یہی بات ہے جو ہمیں اور آپ کو متحد کر دے گی یا جدا کر دے گی۔

حضرت عمرؓ نے بات کا آغاز فرمایا چنانچہ اولاً تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کے بیان فرمائی پھر فرمایا: میرا خیال ہے کہ تم لوگ دنیا کی طلب میں نہیں نکلے ہو تمہارا مقصود آخرت ہی ہے مگر تم سے اس کا راستہ اپنانے میں خطا ہوئی ہے۔ میں تم سے چند چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں تمہیں اللہ کی قسم ہے کہ تم اپنے علم کے مطابق صحیح اور سچا جواب دینا۔ انہوں نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے سب سے پہلا سوال یہ پوچھا تمہارا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہما) کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا وہ تمہارے اسلاف میں سے نہیں تھے اور کیا وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کے لئے تم جنت کی گواہی دیتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: کیوں نہیں (لیکن آپ نے تحقیق فرمایا ہے)۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد عرب میں ارتداد کی لہر دوڑ گئی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال فرمایا حتیٰ کہ آپ نے ان کے خون کو بہایا اور ان کی آل اولاد کو غلام بنایا اور ان کے مال واسباب کو قبضہ میں لے لیا؟ انہوں نے جواب دیا: ایسے ہی ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جب ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان قیدیوں کو جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قیدی بنایا تھا ان کے قوم وقبیلے کے حوالے کر دیا تھا۔ ان دونوں نے جواب دیا: بالکل ایسے ہی ہوا ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کیا حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے بری الذمہ ہو گئے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے براءت کا اظہار کیا تھا؟ انہوں نے

کہ یہ لوگ ان کے معصوم بچوں کو قتل کرتے ہوئے حرم بچیوں کی باندی کے اندر زندہ ڈال دیتے تھے۔ ۔۔۔ دونوں خارجیوں نے جواب دیا ایسا ہی ہوا ہے۔

پھر حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا (اس کے باوجود) اہل کوفہ نے اہل بصرہ سے یا اہل بصرہ نے اہل کوفہ سے برات اور لاتعلقی کا اظہار کیا؟ انہوں نے جواب دیا؟ نہیں کیا۔ آپ نے پوچھا کیا تم ان دونوں گروہوں میں سے کسی سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہو؟

انہوں نے یک زبان کہا کہ نہیں (ہم کسی سے اظہار لاتعلقی نہیں کرتے)۔

حضرت عمرؒ نے پوچھا: تم مجھے بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے. کیا "دین" ایک ہے یا دو ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: دین تو ایک ہی ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تمہارے لئے گنجائش ہے کہ تم میری کسی بات کا انکار کرو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ تو حضرت عمرؒ نے فرمایا کہ پھر تمہارے لئے کیسے درست ہو سکتا ہے کہ تم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو راہنما اور محبوب مانو اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا مددگار اور ساتھی مانو کیونکہ ان دونوں کا (ذکر کیے گئے معاملہ میں) طریقہ کار مختلف تھا یا کیسے اہل کوفہ کے لئے درست ہے کہ وہ اہل بصرہ کو دوست بنائیں اور کیسے اہل کوفہ اہل بصرہ کو دوست بنائیں؟ حالانکہ ان کا طریقہ کار مختلف تھا بلکہ ایک دوسرے کے مخالف تھا۔ اور تمہارے لئے یہ بات کیسے روا ہے کہ تم ان تمام لوگوں کو اپنا مقتدا مانو یا ان سے وابستگی کا اظہار کرو کیونکہ انہوں نے بہت بڑی بڑی چیزوں میں یعنی خون، فروج میں اور اموال میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے (تمہارے لئے ان سب سے تعلق وابستہ کرنا بالکل درست ہے!) اور تمہارے گمان میں میرے لئے صرف ایک بات کی گنجائش ہے یا ایک بات کا اختیار ہے اور وہ صرف یہ کہ میں اپنے اہل بیت پر لعنت کروں اور ان سے لاتعلقی کا اور برات کا اظہار کروں؟

اگر گنہگاروں پر لعنت بھیجنا ایمانی اور دینی فریضہ ہے تو ۔۔۔ پورا کرنا ضروری ہے تو اے بات کرنے والے! تم مجھے بتاؤ کہ تم نے کتنی مرتبہ فرعون اور ہامان پر لعنت کی ہے۔

اس نے جواب دیا: مجھے تو معلوم نہیں کہ میں نے کب فرعون و ہامان پر لعنت کی ہے۔

حضرت عمرؒ نے فرمایا تو برباد ہو جائے تیرے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ تو فرعون پر لعنت

سمجھتے ہو، وہ تمہارے پاس پناہ لیکر محفوظ ہو جاتے ہیں کیا ایسا نہیں ہے؟

حضرت عمرؒ کی یہ ایمان افروز اور مدلل گفتگو سن کر حبشی (عاصم) بول اٹھا: "میں نے آپ کی دلیل سے زیادہ واضح و روشن اور آپ کی بات سے زیادہ حق کے قریب کوئی بات نہیں دیکھی۔ میں تو ابھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی حق پر ہیں، اور میں ہر اس شخص سے علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں جو آپ کی مخالفت کرے"۔

پھر حضرت عمرؒ نے شیبانی سے کہا: تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ آپ نے کیا ہی اچھی بات کی اور کیا اچھے انداز میں صورتحال بیان کی ہے لیکن میں مسلمانوں (خارجیوں) کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب نہیں کروں گا کہ جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ ان کی اس کے متعلق کیا دلیل ہے (لہٰذا) میں ان سے ملوں گا شاید کہ ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کا علم مجھے نہ ہو۔

حضرت عمرؒ نے اس سے فرمایا: اچھا! تم اپنے بارے میں بہتر سمجھتے ہو!

چنانچہ حبشی حضرت عمرؒ کے پاس پندرہ راتیں ٹھہرا رہا پھر اللہ کو پیارا ہو گیا، اور شیبانی اپنی قوم (خوارج) سے جا ملا اور انہی کے ساتھ مارا گیا۔[1]

(قصہ ۱۰۲) ﴿وہ غم ہے کہ اب غم کا نشان کچھ بھی نہیں ہے﴾

عبدالسلام مولیٰ مسلمہ بن عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؒ بیٹھے بیٹھے رونے لگے، (ان کو دیکھ کر) آپ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؒ بھی رونے لگیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارا گھر رونے لگا ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ سب کیوں رو رہے ہیں۔

جب ان پر سے بے چینی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضرت فاطمہؒ نے اپنے سرتاج سے عرض کیا: "میرا باپ آپ پر قربان جائے اے امیر المؤمنین! آپ کیوں رو رہے تھے؟"

حضرت عمرؒ نے دلسوز لہجہ میں جواب دیا: "اے فاطمہ! مجھے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا یاد آ گیا تھا کہ جب ایک جماعت جنت میں جائے گی اور ایک جماعت

---

[1] سیرۃ الخلیفۃ العادل لابن عبد الحکم ص ۱۳۶ تا ص ۱۴۳

جسم کا ایندھن بن جائے گی۔"

حضرت عمرؒ نے اتنا کہا تھا کہ آپ کے سینے سے ایک دردناک چیخ نکلی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[1]

اب نالہ و فریاد و فغاں کچھ بھی نہیں ہے
وہ غم ہے کہ اب غم کا نشاں تک بھی نہیں ہے

(قصہ ۱۰۳) ﴿تری تکلیف اے شمع سوزاں رات بھر کی ہے...!﴾

حضرت عمرؒ کے ایک غلام بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضرت عمرؒ روتے ہوئے اٹھے اور مسلسل روتے رہے حتیٰ کہ میں جاگ گیا۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمرؒ کے ساتھ رات گزارتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ میں ان کے بہت زیادہ رونے کی وجہ سے سو نہ سکتا تھا اور آپ اکثر راتوں میں بہت زیادہ روتے تھے۔ چنانچہ ایک ایسی ہی رات تھی، جب صبح ہوئی تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "اے بیٹے! اس میں کوئی خیر نہیں کہ تیری بات سنی جائے اور اس کو مان لیا جائے۔ خیر و فلاح تو صرف اس بات میں ہے کہ تو اپنے رب کو پہچان لے اور اس کی اطاعت میں لگ جائے۔ اے بیٹے! آج تم اس وقت تک کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ دینا جب تک کہ صبح نہ ہو جائے اور پوری طرح دن نہ چڑھ جائے، مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں لوگ میری اس حالت سے واقف نہ ہو جائیں۔"

غلام نے عرض کیا: "اے امیر المؤمنین! میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! میں نے آپ کو آج رات بے تحاشا روتے ہوئے دیکھا حالانکہ میں نے آپ کو پہلے کبھی اس طرح روتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

غلام کے اس سوال کو سن کر پھر حضرت عمرؒ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور آپ زار و قطار رونے لگے، پھر تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا: "اے بیٹے اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے کھڑے ہونے کا وقت یاد آ گیا تھا۔"

---

[1] سیرۃ ابن جوزیؒ ص ۹۱

یہ کہہ کر حضرت عمرؒ پر بیہوشی طاری ہوگئی اور دن چڑھنے تک آپ کو بیہوشی سے افاقہ نہ ہوا۔ غلام کہتا ہے کہ میں نے اس کے بعد آپ کو کبھی مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ !!

انہیں بھی دیکھ جن کی عمر گذری ہے سلگنے میں
تری تکلیف تو اے شمع سوزاں رات بھر کی ہے

(قصہ ۱۰۲) ﴿بذریعہ خواب جنت کی بشارت﴾

ابو حازم خناصری اسدی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؒ کے زمانۂ خلافت میں مدینۃ المبارک میں داخل ہوا تو اس وقت لوگ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں جارہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں حضرت عمرؒ کے سواری سے اترنے کی جگہ پر گیا تو میری نماز فوت ہو جائے گی اس لئے میں پہلے نماز ادا کرتا ہوں بعد میں ان سے ملاقات کرلوں گا۔ چنانچہ میں مسجد کے دروازے کی طرف چل پڑا مسجد کے دروازے پر پہنچ کر میں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اس کو رسی سے باندھا اور مسجد میں داخل ہو گیا اس وقت امیر المومنینؒ خطبہ دے رہے تھے۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو مجھے پہچان لیا اور آواز دی:

''اے ابو حازم! میری طرف آؤ!''

جب لوگوں نے امیر المومنین کی میرے لئے یہ ندا سنی تو انہوں نے مجھے راستہ دے دیا اور میں محراب کے قریب پہنچ گیا۔ جب امیر المومنینؒ خطبہ اور نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے ابو حازم! تم ہمارے شہر میں کب آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا: ابھی ابھی پہنچا ہوں اور میرا اونٹ مسجد کے دروازے پر بندھا ہوا ہے

''کیا آپ عمر بن عبدالعزیز ہیں؟ آپؒ نے فرمایا: ہاں میں ہی عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! جب آپ خناصرہ میں عبدالملک بن مروان کی جانب سے وہاں کے امیر مقرر تھے تو آپ کا چہرہ نہایت تروتازہ اور دنیوی نعمتوں کے اثرات سے معمور تھا۔ آپ کا لباس نہایت صاف ستھرا تھا آپ کی سواری نہایت عمدہ تھی۔ آپ کا کھانا

نہایت لذیذ اور اعلیٰ درجے کا تھا (یعنی ہر قسم کی نعمتیں آپ کے قدموں میں ڈھیر تھیں) اے امیر المومنین! اب کس چیز نے آپ کی حالت بدل ڈالی ہے؟" آپ نے فرمایا: "میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے خناصرہ میں مجھے وہ حدیث نہیں سنائی تھی؟"

میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"تمہارے سامنے ایک گھاٹی ہے۔"

یہ سن کر حضرت امیر المومنین اونچی آواز سے روئے یہاں تک کہ سسکیوں کی آواز آنے لگی، پھر تھوڑی دیر بعد دوبارہ اونچی آواز سے روئے یہاں تک کہ ان کے دانت بھی چیخنے کی وجہ سے نکل آئے تھے۔ لوگوں نے بھی آپس میں باتیں شروع کر دیں، میں نے ان سے کہا: خاموش ہو جاؤ اور اپنی جگہوں پر آرام سے بیٹھے رہو امیر المومنین کے ساتھ کوئی غیر معمولی نوعیت کا واقعہ پیش آیا ہے۔

ابو حازم کہتے ہیں کہ جب امیر المومنین کو بیہوشی سے افاقہ ہوا تو لوگ آپ کی بات سننے کے لیے بے تاب تھے۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! ہم نے آپ سے عجیب و غریب بات دیکھی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے میری اس حالت و کیفیت میں دیکھا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب میں تمہارے درمیان موجود باتیں کر رہا تھا تو میرے اوپر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی تو اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو چکی ہیں، لوگوں کی ایک سو بیس صفیں میدان حشر میں قائم ہیں جن میں سے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی امت کی اسی صفیں تھیں باقی امتوں کی چالیس صفیں تھیں۔ چنانچہ جب کرسی رکھی گئی اور ترازو رکھ دیے گئے اور اعمال نامے تقسیم کر دیے گئے پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا:

"عبداللہ بن ابو قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ چنانچہ بڑی عمر کے ایک شخص جو داڑھی پر مہندی کا خضاب لگائے ہوئے تھے سامنے آئے اور فرشتوں نے انہیں سہارا دے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا ان سے آسان سا حساب لیا گیا پھر ان کو

آج میری نجات ممکن نہ تھی پھر میرے رب نے مجھ پر فضل فرمایا اور اپنی رحمت کا چھینٹا میرے اوپر بھی برسا دیا اور مجھے جنت کے دائیں جانب داخل ہونے کا حکم دے دیا"۔

چنانچہ جب میں دو فرشتوں کے ساتھ ساتھ اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں، میں نے راستہ پر ایک مردار چیز کو پڑے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ مردہ چیز کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ خود اس کے قریب ہو کر اس سے پوچھیں، چنانچہ میں اس کے قریب ہوا اور اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھوکر ماری اور اس سے پوچھا، تم کون ہو؟ اس نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں عمر بن عبدالعزیز ہوں۔ اس نے مجھ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور تمہارے ساتھیوں کا کیا بنا؟ میں نے کہا ان چاروں حضرات کو تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے دائیں جانب داخلے کا حکم دے دیا تھا پھر ان کے بعد مجھے علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعد آنے والے کے بارے میں کیا حکم صادر فرمائیں گے؟ اس نے کہا اللہ نے تمہارے متعلق کیا فیصلہ فرمایا ہے؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا اور مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا اور میرے لئے جنت کے دائیں جانب داخلے کا حکم فرما دیا۔

پھر میں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں حجاج بن یوسف ثقفی ہوں۔ میں نے پوچھا اے حجاج! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا فیصلہ فرمایا؟ اس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق نہایت سخت اور شدید فیصلہ فرمایا ہے، میں نے جتنے انسانوں کو قتل کیا تھا تو ہر مقتول کے بدلے میں مجھے بھی بار بار قتل کیا گیا اور اب میری یہ حالت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے فیصلے کا منتظر ہوں جس فیصلے کا انتظار دوسرا موحد کرتا ہے کہ جنت کی طرف یا جہنم کی طرف جانے کا حکم ہوتا ہے"۔

ابو حازم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خواب کے بعد مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ ﷺ میں کسی مسلمان (موحد) کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہیں فرمائیں گے۔[1]

---

[1] [illegible] ص ۳۴۴

(قصہ ۱۰۵) ﴿خلافت عمرؒ اور بشارت خضرؑ﴾

ایک رات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی سواری پر سوار ہوکر تنہا باہر نکلے۔ آپ کے پیچھے پیچھے مزاحم بھی چلے گئے۔ حضرت عمرؒ آگے آگے چل رہے تھے۔

اچانک مزاحم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا ہاتھ حضرت عمرؒ کے کندھے پر رکھا ہوا ہے، مزاحم کو خیال گزرا کہ یہ شخص تو بڑی آن والا ہے اور عجیب حالات وعلامات والا لگتا ہے یہ کون ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اس تشویش کی بناء پر مزاحم تیزی سے چلے کہ حضرت عمرؒ سے جاملیں۔ جب مزاحم حضرت عمرؒ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ حضرت عمرؒ تو اکیلے ہی ہیں اور آپؒ کے ساتھ دوسرا کوئی شخص نہیں ہے۔

انہوں نے حضرت عمرؒ سے عرض کیا: میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو آپؒ کے ساتھ دیکھا تھا، جس نے آپ کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی آدمی لگتا ہے یہ کون ہوسکتا ہے؟ اب جب میں آپ کے پاس پہنچا ہوں تو وہ آدمی یہاں نہیں ہے۔ حضرت عمرؒ نے پوچھا: کیا تم نے اس آدمی کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تب تو میں تمہیں ایک نیک اور مبارک آدمی سمجھتا ہوں (کہ تم نے ان کی زیارت کرلی ہے) آپ نے فرمایا: "اے مزاحم! وہ حضرت خضرؑ تھے۔ انہوں نے مجھے خلافت ملنے اور اس معاملے میں میری مدد کیے جانے کی بشارت سنائی ہے"[1]

(قصہ ۱۰۶) ﴿حضرت عمرؒ کی عظمت کا راز﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے انتقال کے بعد فقہاء اور علماء آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہؒ کے پاس تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے آپؒ سے حضرت عمرؒ کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو آپؒ کی اہلیہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! وہ آپ حضرات اور دیگر مسلمانوں سے زیادہ عبادت

---

[1] سیرۃ الخلیفہ العادل لابن عبدالحکم ص ۳۵، ۴۰

پریشان کے لئے ٹھکانہ بنایا ہے۔ اور اے امیر المومنین! منصف امام اس مشفق نگران کی طرح ہوتا ہے جو اپنے اونٹوں کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کرتا ہے اور ان کے لئے بہترین چراگاہ تلاش کرتا ہے اور انہیں ہلاکت و بربادی میں ڈالنے والے چارے (غذا) سے و درندوں سے بچاتا ہے اور گرمی و سردی کی تکلیف سے الگ رکھتا ہے۔ اے امیر المومنین! منصف امام اس مشفق باپ کی طرح ہے جو اپنی اولاد کے ساتھ شفقت کا معاملہ کرتا ہے ان کے بچپن میں ان کے لئے محنت و کوشش کرتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے اور ان کے بڑے ہونے تک زندگی بھر ان کے لیے کماتا ہے اور اپنے مرنے کے بعد ان کے لیے ذخیرہ چھوڑ جاتا ہے۔ اے امیر المومنین! امام عادل اس شفیق ماں کی طرح ہوتا ہے جس نے بڑی تکلیف کے ساتھ اپنے بچے کو پیٹ کے اندر رکھا اور اس کو تکلیف کے ساتھ جنا، اور اس کو بچپن سے اس طرح پالتی ہے کہ اس کے بیدار رہنے کی وجہ سے خود بھی بیدار رہتی ہے اور اس کے سکون ہی سے وہ سکون پاتی ہے کبھی اس کو دودھ پلاتی ہے اور کبھی دودھ چھڑاتی ہے اس کی عافیت سے خوش ہوتی ہے اور بیماری سے غمزدہ ہو جاتی ہے۔

اور منصف امام یتیموں کا نگران ہے، غریبوں کے لئے ذخیرہ کرنے والا ہے چھوٹوں کی پرورش کرتا ہے اور بڑوں کے لئے نان و نفقہ کا بوجھ برداشت کرتا ہے، اور منصف امام پسلیوں کے درمیان دل کے مانند ہے تمام اعضاء اس دل کے ٹھیک رہنے سے ٹھیک رہتے ہیں اور اس کے بگڑنے سے بگڑ جاتے ہیں اور منصف امام قائم بین اللہ و بین العباد ہوتا ہے خدا کا کلام خود سنتا ہے اور بندوں کو سناتا ہے اللہ کو دیکھتا ہے اور بندوں کو دکھلاتا ہے وہ اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے اور بندوں کو

اس کی فرمانبرداری کی طرف لاتا ہے۔

امیرالمومنین ان چیزوں میں جن کا اللہ نے آپ کو مالک بنایا ہے اس غلام کے مانند نہ ہو جائیں کہ جس کو اس کے مالک نے امانتدار سمجھ کر اپنے مال کی حفاظت چاہی اور اس نے مال کو تباہ کر دیا اور اہل و عیال کو دھتکار دیا نتیجہ اس کے گھر والوں کو فقیر و محتاج بنا دیا اور اس کے مال کو منتشر کر دیا۔ اور اے امیرالمومنین! جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے خباثت سے اور خواہشات سے روکنے کے لئے حدود نازل کئے ہیں تو خدا اس حاکم کو کیوں عذاب نہیں دے گا جو حاکم ان برائیوں کو کرنے لگے۔ اللہ نے قصاص کو اپنے بندوں کے لئے باعث حیات بنا کر نازل کیا، تو کیا حال ہوگا جب ان کو وہی شخص قتل کر دے گا جو ان کے لئے قصاص لینے والا ہو۔

اے امیرالمومنین! موت کے بعد بہت بڑی گھبراہٹ سے بچنے کے لئے موت کو یاد کیجئے۔ اور اے امیرالمومنین! جس گھر میں آپ اب ہیں اس کے علاوہ آپ کے لئے ایک گھر اور ہے جس میں آپ کو طویل مدت تک رہنا ہے آپ کو ایک گڑھے میں اکیلا ڈال کر آپ کے دوست و احباب علیحدہ ہو جائیں گے۔ آپ تو اب اس سامان کو تیار کریں جو اس دن آپ کے ساتھ رہنے والا ہو جس دن ہر شخص الگ ہو جائے گا، اپنے بھائی، ماں باپ بیوی اور بچوں میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہ رہے گا۔ اور وہ گھڑی یاد کیجئے جب مردوں کو قبروں سے زندہ کیا جائے گا اور ظاہر کر دیا جائے گا جب دلوں میں پوشیدہ چیزیں ظاہر ہو جائیں گی اور نامۂ اعمال چھوٹے بڑے کسی گناہ کو نہ چھوڑے گا۔ اے امیرالمومنین! امید ختم ہونے سے اور موت آنے سے پہلے نرمی کیجئے اور رعایا کے ساتھ خلاف شرع اور ظالمانہ سلوک

نہ کیجئے اور قوی لوگوں کو ضعیفوں پر مسلط نہ کیجئے چونکہ وہ کسی مسلمان کے حق میں نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد و پیمان کا ورنہ آپ پر آپ کے سرداروں کے گناہوں کا وبال بھی ہوگا اور آپ کو اپنے بوجھ کے ساتھ اوروں کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا آپ ان چیزوں کے دھوکہ میں نہ آیئے جن چیزوں سے وہ راحت کی زندگی گذارتے ہیں ان میں آپ کا نقصان ہے۔

ایسے لوگوں کے دھوکہ میں نہ آیئے جو دنیا میں مزے سے رہتے ہیں۔ اور آپ اپنی اخروی لذتوں کو تباہ کر کے آج اپنی طاقت کو نہ دیکھئے بلکہ کل کی اپنی حالت کو دیکھئے جب آپ موت کے جال میں پھنسے اور گرفتار ہوں گے اور آپ کو اللہ کے سامنے ملائکہ، انبیاء اور رسولوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور جب "حی قیوم" ذات کے سامنے چہرے جھک جائیں گے۔

اور اے امیر المومنین! اگر چہ میں اپنی نصیحت کے ذریعہ اس مقام کو نہیں پہنچ سکا جہاں تک ارباب عقل و دانش پہنچے ہیں۔ اس سے پہلے لوگوں نے آپ کے ساتھ شفقت اور خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی لہذا آپ میرے خط کو اپنے دوست کے علاج کی طرح سمجھئے کہ جیسے وہ اپنے قریبی دوست کو کڑوی دوائیں اس لئے پلاتا ہے کیونکہ وہ اس کے لئے ان دواؤں میں صحت و عافیت کی امید رکھتا ہے۔

اے امیر المومنین! آپ پر اللہ کی سلامتی اور رحمت و برکت نازل ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

مراجع ومصادر

۱ الخلیفۃ العادل عمر بن عبدالعزیزؒ — لابی محمد عبداللہ بن عبدالحکمؒ

۲ البدایۃ والنہایۃ — لامام ابن کثیرؒ

۳ طبقات ابن سعد — لابی عبداللہ محمد ابن سعد

۴ سیر اعلام النبلاء — لعلامہ شمس الدین محمد الذھبیؒ

۵ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ — لامام ابن جوزیؒ

۶ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ — حکیم محمود ظفر

حضرت ابوہریرہؓ کے ۱۰۰ سو قصے

مؤلف

مولانا شعیب سرور

بیت العلوم

دیگر شہروں میں بیت العلوم کے اسٹاکسٹ

﴿ملتان﴾	﴿کراچی﴾	﴿راولپنڈی﴾
نعمانی اکیڈمی ... کالونی ملتان	ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی	الخلیل پبلشنگ ہاؤس راولپنڈی
کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	بیت العلم گلشن اقبال کراچی	﴿اسلام آباد﴾
ملک بکس گلگشت کالونی ملتان	کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی	مسٹر بکس سپر مارکیٹ اسلام آباد
کتاب گھر حسن آرکیڈ ملتان	دارالقرآن اردو بازار کراچی	مسعود بکس F مرکز اسلام آباد
فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	مرکز القرآن اردو بازار کراچی	سعید بک بینک F-7 مرکز اسلام آباد
اسلامی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	عباسی کتب خانہ اردو بازار کراچی	بک سنٹر آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد
دار الحدیث بیرون بوہڑ گیٹ ملتان	[illegible] بنوری ٹاؤن کراچی	﴿پشاور﴾
﴿ڈیرہ غازی خان﴾	علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی	یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ زکریا ... ڈیرہ غازی خان	﴿کوئٹہ﴾	مکتبہ سرحد خیبر بازار پشاور
﴿بہاولپور﴾	مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ	لندن بک کمپنی صدر بازار پشاور
کتابستان شاہی بازار بہاولپور	﴿سرگودھا﴾	﴿سیالکوٹ﴾
بیت الکتب سرائیکی چوک بہاولپور	مکتبہ ابراہیمیہ چوک ... سرگودھا	گلشن بک ڈپو اردو بازار سیالکوٹ
﴿سکھر﴾	﴿گوجرانوالہ﴾	﴿اکوڑہ خٹک﴾
کتاب مرکز ... سکھر	والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
﴿حیدرآباد﴾	مکتبہ عثمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ	مکتبہ رحیمیہ اکوڑہ خٹک
بیت القرآن چھوٹی گلی حیدرآباد	﴿راولپنڈی﴾	﴿فیصل آباد﴾
حاجی امداد اللہ اکیڈمی ... روڈ حیدرآباد	کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راولپنڈی	مکتبہ العارفی ... روڈ فیصل آباد
ادارۃ القرآن ... روڈ حیدرآباد	فیض ... راولپنڈی	ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد
جمال بک ڈپو ... روڈ حیدرآباد	اسلامی کتاب گھر خیابان سرسید راولپنڈی	مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد
﴿کراچی﴾	ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی	اقرا بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد
ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی	علی بک شاپ اقبال روڈ راولپنڈی	مکتبہ قاسمیہ امین پور بازار فیصل آباد